" آہ ! اے بچے تم نے اپنی ماں سے کیے ہوئے عہد کا اتنا پاس رکھا۔ حیف ہے مجھ پر کہ اتنے سالوں سے اپنے خالق کا عہد توڑ رہا ہوں ۔ اے بچے آج سے میں اس کام سے توبہ کرتا ہوں۔"

دوسرے ڈاکوؤں نے بھی اپنے سردار کا ساتھ دیا۔ لوٹا ہوا تمام مال قافلے والوں کو واپس کر دیا اور اس کے بعد نیکی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کر لی ۔

ایک روایت میں ہے کہ جس زمانے میں شیخ عبدالقادرؒ بغداد میں تحصیلِ علم میں مشغول تھے ، ایک دفعہ سیدہ فاطمہؒ نے کسی کے ہاتھ ان کے لیے سونے کا ایک ٹکڑا بھیجا ۔

سیدہ فاطمہؒ کے سالِ وفات کے بارے میں سب تذکرے خاموش ہیں ۔ البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے زمانۂ تعلیم میں ان کی غیر حاضری ہی میں کسی وقت وفات پائی ۔

(غبطة الناظر، نفحات الانس - اخبار الاخیار - تذکرہ سیدنا غوث اعظم)

بی بی اُمِّ محمدؒ

محمد بن علی بن عبداللہ کی صاحبزادی تھیں ۔ ۳۷۴ ہجری میں پیدا ہوئیں ۔ اپنے دَور کے نامور صوفی شیخ ابن سمعونؒ کی شاگرد تھیں ۔ عبادتِ الٰہی سے خاص شغف تھا ۔ بکثرت ریاضات و مجاہدات کیے اور اولیاء اللہ میں شمار ہوئیں ۔ ۴۶۰ ہجری میں انتقال کیا ۔ ان کا مزار شیخ ابنِ سمعونؒ کے مزار کے پاس ہے ۔ (خزینۃ الاصفیاء)

سیّدہ خدیجہ جیلانی رح [۱]

شیخ ابی عبداللہ بن شیخ یحییٰ زاہد رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں۔ پیر پیراں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۲ھ) ان کے حقیقی بھتیجے تھے۔ بعض روایتوں میں ان کی کنیت اُمِّ محمّدؒ بیان کی گئی ہے۔ نہایت عبادت گزار اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ جلیل القدر بھتیجے کی طرح علم وعرفان کی دولت سے مالا مال تھیں۔ لوگوں میں ان کے مستجاب الدعوات ہونے کی عام شہرت تھی۔ مشکل کے وقت لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کرلتے اور برکت حاصل کرتے تھے۔

ایک دفعہ جیلان میں خوفناک قحط پڑا۔ لوگوں نے گڑگڑا گڑگڑا کر بارش کے لیے دعائیں کیں۔ شہر سے باہر صحرا میں جاکر بار بار استسقا کی نمازیں پڑھیں لیکن موسم کی حالت میں کوئی فرق نہ پڑا اور خشک سالی شدید سے شدید تر ہوتی گئی، آخر سب لوگ مل کر سیّدہ خدیجہ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

---

[۱] مولانا جامی رح نے ان کا نام خدیجہ رح لکھا ہے لیکن دوسرے بہت سے تذکروں میں ان کا نام عائشہ رح بھی آیا ہے۔

مُلّا علی قاری رح صاحب نزہتہ الخاطر الفاتر کا بیان ہے کہ سیّدہ عائشہ رح سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ تھیں لیکن دوسری کسی روایت سے ان کے بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔

حضرت پیر پیراں رح کی پھوپھی صاحبہ کے نام میں تو اختلاف ہے لیکن ان کی کنیت "اُمِّ محمّدؒ" پر سب کا اتفاق ہے اور ان کے فضائل وکمالات پر بھی سب متفق ہیں (مؤلف)

ان سے درخواست کی کہ خدارا بارش کے لیے دعا کریں۔ سیدہ خدیجہؒ اس وقت اپنے مکان کے صحن میں جھاڑو دے رہی تھیں۔ انہوں نے لوگوں کو اس قدر پریشان اور بے کل دیکھا تو دستِ دعا اٹھائے اور کہا، بارِ الٰہا میں نے جھاڑو دی ہے تو چھڑکاؤ کر دے۔ ان کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ آسمان پر گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں اور اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل ایک ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ سیدہ خدیجہؒ خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے وقتاً فوقتاً فصیح بلیغ وعظ بھی کہا کرتی تھیں۔ ان کے مواعظ نہایت پُر تاثیر ہوتے تھے۔ انہیں سن کر اکثر گم گشتگانِ راہ، راہِ راست پر آ جاتے تھے۔ سیدہ خدیجہؒ نے جیلان ہی میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

(نفحات الانس)

بی بی عروضیہؒ

ان کا شمار پانچویں صدی ہجری کے اندلس کی شہرۂ آفاق عالمات میں ہوتا ہے۔ علامہ ابو المطرف عبد الرحمٰن بن غلبون کی خادمہ تھیں۔ انہوں نے آزاد کر دیا تو بلنسیہ (والنشیا) میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ علمِ صرف، علمِ نحو، علمِ معانی، علمِ بدیع، علمِ لغت اور علمِ عروض میں یگانۂ روزگار تھیں۔ علمِ نحو اور علمِ لغت انہوں نے اپنے آقا ابو المطرف عبد الرحمٰنؒ سے حاصل کیا تھا مگر وہ ان دونوں علوم میں استاد پر فوقیت لے گئیں۔ ان کو مبرد کی کتاب "کامل" اور قالی کی کتاب "نوادر" زبانی یاد تھیں اور ان کی شرح نہایت عمدگی سے کرتی تھیں۔ اس دور کے ایک مشہور عالم سلیمان بن نجاح کا بیان ہے کہ میں نے عروضیہ سے "کامل" اور "نوادر" پڑھیں اور علمِ عروض بھی سیکھا۔

بی بی عروضیہ نے ۴۵۰ھ ہجری میں وفات پائی اور شہر دانیہ میں مدفون ہوئیں۔

(نفح الطیب)

اُمِّ زین الدینؒ

ان کا شمار پانچویں صدی ہجری کی یگانۂ روزگار عالمات و عابدات میں ہوتا ہے۔ ویسے تو ان کو تمام علومِ دینی میں دسترس حاصل تھی لیکن علمِ تفسیر میں خاص مہارت رکھتی رکھتی تھیں۔ ان کے بھائی امام عبدالوہابؒ بھی بہت بڑے مفسّرِ قرآن تھے۔ انہوں نے "کتاب الجواہر" کے نام سے تیس ۳۰ جلدوں میں قرآنِ حکیم کی تفسیر لکھی تھی۔ اُمِّ زین الدینؒ کو یہ تمام تفسیر زبانی یاد تھی۔ ان کے بیٹے زین الدینؒ بھی علامۂ دہر تھے اور اپنے وقت کے امام تسلیم کیے جاتے تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں وہ ایک مرتبہ اپنے ماموں (امام عبدالوہابؒ) سے تفسیر کا سبق لے کر گھر آئے تو والدہ نے پوچھا، ماموں نے آج کیا پڑھایا؟ انہوں نے جو پڑھا تھا بیان کر دیا۔ انہوں نے پوچھا، فلاں آیت کے ساتھ فلاں قول بھی بیان کیا؟ بیٹے نے کہا، نہیں۔ مسکرا کر کہا کہ بھائی بھول گئے ہوں گے۔

اُمِّ زین الدینؒ کو عبادتِ الٰہی سے خاص شغف تھا۔ اپنے وقت کا بیشتر حصہ مصلّے پر بیٹھ کر گزارتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اسی حالت میں مسلسل چالیس سال گزار کر وفات پائی۔ (مسلمان خواتین کی دینی و علمی خدمات)

بی بی عائشہؒ اندلسیہ

جس زمانے میں اندلس پر مسلمانوں کا پرچمِ اقبال پوری شان و شوکت سے لہرا رہا تھا بی بی عائشہؒ مدینہ منورہ سے اندلس پہنچیں اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ ان کو دس ہزار احادیث زبانی یاد تھیں اور ان سب کے سلسلۂ روایت کو وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتی تھیں۔ (نفح الطیب)

بی بی اُمّ البلاء

اَندلُس کے شہر وادی الحجارۃ کے ایک سوداگر یوسف کی بیٹی تھی۔ اس کا شمار پانچویں صدی ہجری کی باکمال عالمات وشاعرات میں ہوتا ہے "کتاب المغرب" کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھے نے اس کو شادی کا پیغام بھیجا۔ جواب میں ام البلاء نے اس کو یہ شعر لکھ بھیجے۔

الشیب لایخدع فیہ لصبی	بحیلۃ فاسمع الی النصح
بڑھاپے کے دھوکے میں لڑکپن نہیں آتا	کسی طرح میری نصیحت کو سن!
فلا تکن اجھل من فی الوریٰ	یبیت فی الجھل کما یصبح
دنیا میں جاہلوں کی ناک نہ بن جیسے	دن رات سوائے حماقت کے کوئی کام نہیں

یہ فاضلہ اپنے وطن کی مناسبت سے " حجاریہ کے لقب سے بھی مشہور ہے۔ اس کے یہ شعر حسنِ معذرت میں نہایت عمدہ ہیں۔

افہم مطارح احوالی وما حکمت	بہ الشواھد واعذرنی ولا تلم
سمجھ لے میرے مقتضائے حال اور قرائن سے	اور معذور رکھ مجھے۔ ملامت نہ کر
ولا تکلنی الی عذر ابینہ	شر المعاذیر ما یحتاج للکلم
اور مجھ سے اظہارِ عذر کی امید نہ رکھ	عذروں میں بدتر عذر وہ ہے جو بیان کا محتاج ہو
وکل ماجئتہ من زلۃ فبما	اصبحت فی ثقۃ من ذلک الکرم
اور میری یہ سب لغزش اس لیے ہے کہ	میں تیرے کرم پہ بھروسا رکھتی ہوں

بی بی ست الملک

مصر کے چھٹے فاطمی خلیفہ الحاکم بامراللہ کی بہن تھی۔ بڑی عالمہ اور مدبر خاتون تھی۔ ۴۱۱ھ میں الحاکم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا الو الحسن علی الظاہر نابالغ تھا اور سلطنت کی حالت بہت سقیم تھی لیکن ست الملک نے بھتیجے کے سنِ بلوغ کو پہنچنے تک حالات کو قابو سے باہر نہ ہونے دیا اور نہایت بیدار مغزی سے کاروبارِ حکومت چلاتی رہی۔ (مشاہیر نسواں)

ملکہ ترکان خاتون (بیگم ملک شاہ سلجوقی)

ترکان خاتون الملقب بہ خاتون بزرگ و خاتون الجلالیہ تاریخ اسلام کے نامور فرمانروا سلطان ملک شاہ سلجوقی کی ملکہ تھی [۱] ـــــ وہ عماد الدولہ طفغاج (یا تغمش) خان ابو المظفر ابراہیم بن نصر ایلک کی بیٹی تھی، جو ماوراء النہر کے مغربی علاقے کا حکمران تھا۔ اس کی شادی ملک شاہ سے ۴۵۶ھ میں ہوئی تھی۔ اُس وقت ملک شاہ کا والد سلطان الپ ارسلان زندہ تھا اور اسی نے اپنے بیٹے کی شادی کے لیے خان ابو المظفر ابراہیم کی بیٹی کا انتخاب کیا تھا۔ اس کا مقصد خوانینِ ماوراء النہر سے اپنے تعلقات استوار کرنا تھا۔

میر خواند نے "روضۃ الصفا" میں لکھا ہے کہ خانِ اعظم نے اپنی بیٹی کا

---

[۱] جلال الدولہ ابو الفتح ملک شاہ دولتِ سلجوقیہ کا تیسرا فرمانروا تھا۔ اس نے ۴۶۵ھ سے ۴۸۵ھ تک حکومت کی۔ سلجوقی فرمانرواؤں میں سلطان طغرل بیگ (۴۲۹ھ تا ۴۵۵ھ) اور سلطان الپ ارسلان (۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ) بھی کچھ کم مرتبے کے فرمانروا نہیں تھے لیکن مسلمان مؤرخین نے سلطان ملک شاہ کے عہد کو سلجوقی فرمانرواؤں میں ہار کے درمیان بڑا موتی قرار دیا ہے کیونکہ اس کے عہد میں دولتِ سلجوقیہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھی۔ علامہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ:

"ملک شاہ کی سلطنت نے وہ وسعت حاصل کی کہ کوئی سلطنت اس حد تک نہیں پہنچی۔ اس کی سلطنت طول میں کاشغر سے لے کر جو ترکستان کا سب سے اخیر شہر ہے اور جس کی سرحد چین سے ملتی ہے، بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے لے کر بحرِ خزر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے تمام ملک

(باقی اگلے صفحہ پر)

ڈولہ بڑی شان وشوکت سے نیشاپور روانہ کیا۔ جب دلہن شہر میں داخل ہوئی تو تمام شہر آراستہ کیا گیا تھا۔ ایک ہزار ترکی غلام ڈولہ کی جلو میں تھے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک نادر تحفہ ترکستان کا تھا۔ مشک وعنبر اور کافور کی گولیاں جلوس پر نثار کی جاتی تھیں۔

ترکان خاتون کا شمار تاریخ عالم کی مشہور خواتین میں ہوتا ہے۔ وہ بڑی آن بان کی عورت تھی اور اس کے رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ اس کے سامنے بڑے بڑے امراء و وزراء کا پتہ پانی ہوتا تھا۔ سلطان ملک شاہ کے نزدیک اس کی یہ قدر و منزلت تھی کہ وہ سلطنت کے ہر معاملے میں اس سے ضرور مشورہ کرتا تھا۔

۴۷۰ھ میں عباسی خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے سلطان ملک شاہ کو اس کی بیٹی کے لیے پیغام بھیجا۔ سلطان نے خلیفہ کا پیغام سن کر کہا کہ اس معاملہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں سرائیں بنوائیں، دریاؤں اور نہروں پر پل تعمیر کرائے اور ہر قسم کے محصول معاف کر دیئے۔ اس کے زمانہ میں امن و امان کی یہ حالت تھی کہ ترکستان سے لے کر شام کی اخیر سرحد تک قافلے بغیر کسی حفاظت اور بدرقہ کے سفر کرتے تھے۔"

تاریخ اسلام کا شہرۂ آفاق وزیر خواجہ نظام الملک طوسی، سلطان ملک شاہ سلجوقی ہی کا وزیر اعظم تھا۔ سلطان ملک شاہ نے بارہ مرتبہ اپنی وسیع سلطنت کا دورہ کیا اور ہر صوبہ کی حالت بچشم خود دیکھ کر اس کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کی بقول سید امیر علی ملک شاہ کی حکومت بلحاظ عظمت وشوکت اور لوگوں کی خوش حالی کے رومی یا عربی حکومت کے بہترین زمانہ سے کم نہ تھی اس کے زمانے میں تجارت اور صنعت وحرفت کو زبردست فروغ حاصل ہوا اور علوم وفنون نے بے مثال ترقی کی۔

شہزادی کی والدہ ترکان خاتون ہی کوئی جواب دے سکتی ہے۔ یہ پیغام خلیفہ مقتدی کا ایک انتہائی قابلِ اعتماد اور معزز امیر ابو نصر محمد بن جہیر لایا تھا۔ سلطان نے اس سے کہا کہ آپ خواجہ نظام الملک کے ہمراہ ملکہ ترکان خاتون کے پاس جائیں اور عرضِ مدعا کریں۔

دوسرے دن فخر الدولہ اور خواجہ نظام الملک دونوں خاتونِ بزرگ ترکان خاتون کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑے احسن انداز میں خلیفہ کے پیام کا ذکر کیا۔ ترکان خاتون نے جواب دیا کہ شاہِ غزنین اور ماوراء النہر کے کئی خوانین اپنے اپنے فرزندوں کے لیے شہزادی کا رشتہ مانگ رہے ہیں اور وہ چار لاکھ نقد مہر دینے کو تیار ہیں اگر خلیفہ مقتدی اتنا مہر دینے پر آمادہ ہو تو میں اس کو دوسرے تمام پیغام بھیجنے والوں پر ترجیح دوں گی۔

سلطان کی پھوپھی ارسلان خاتون کو ترکان خاتون کے جواب کا علم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوئی کیونکہ وہ اس رشتہ کی دل سے خواہاں تھی۔ اس نے پہلے فخر الدولہ اور خواجہ نظام الملک سے مشورہ کیا، پھر خود ترکان خاتون کے پاس گئی اور اس کو سمجھایا کہ خاندانِ خلافت میں رشتہ کرنا ہمارے لیے باعثِ فخر و مباہات ہے۔ دوسرے لوگ خواہ کتنے ہی ذی حشم ہوں، ان کو خلیفہ سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی وہ تو خلیفہ کے غلاموں اور خدمت گاروں کا درجہ رکھتے ہیں۔ خلیفہ امیر المومنین ہے۔ اس کے سامنے مال کا ذکر کرنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

بڑی بحث و تمحیص کے بعد ترکان خاتون ان شرطوں پر خلیفہ سے شہزادی کا عقد کرنے پر رضامند ہو گئی۔

① پچاس ہزار دینار مہر معجل ہوگا۔

② میری لڑکی کے سوا خلیفہ کے پاس کوئی بیوی یا لونڈی نہ ہوگی اور نہ وہ میری لڑکی کی خواب گاہ کے سوا کسی اور جگہ شب باش ہوگا۔

فخرالدولہ نے خلیفہ کی طرف سے ان شرطوں کو منظور کرنے کی ہامی بھر لی اور صفر ۴۷۵ھ میں بغداد واپس آ گیا۔ خلیفہ مقتدی نے ان شرطوں کو منظور کر لیا اور عقد ہو گیا لیکن شہزادی کی رخصتی پانچ سال بعد ۴۸۰ھ میں ہوئی۔ دلہن جس شان سے (اصفہان سے) بغداد کی طرف روانہ ہوئی مؤرخین نے اس کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

جہیز کا سامان ایک سو تیس اونٹوں اور چوہتر خچروں پر لدا ہوا تھا اونٹوں پر دیبائے رومی کی جھولیں تھیں جن پر سونے اور چاندی کا (سنہرا اور روپہلا) کام کیا ہوا تھا۔ خچروں پر دیبائے عکی کی جھولیں لٹک رہی تھیں اونٹوں پر تمام سامان سونے اور چاندی کا تھا اور خچروں پر دوسرا بیش قیمت سامان تھا۔ ان کے علاوہ چھ خچروں پر قیمتی جواہرات اور زیورات سے بھرے ہوئے صندوق لدے ہوئے تھے۔ اس قطار کے آگے مرصع زینوں والے اصیل گھوڑوں پر تینتیس ۳۳ سوار تھے اور تین عماریاں تھیں جو صنعت اور لاگت کے اعتبار سے بے مثل تھیں۔ ان کے ساتھ ایک بہت بڑا سنہری فرش تھا۔ اس جلوس کے پیچھے دلہن کا محفہ تھا۔ اس کے بعد ملکہ ترکان خاتون اور دوسری معزز خواتین بغداد کے محفے تھے۔ ان کے ساتھ تین سو کنیزوں کی پالکیاں تھیں اور خواجہ سراؤں کی تعداد کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ جدھر جدھر سے جلوس گزرتا لوگ اس پر دینار اور قیمتی کپڑے نچھاور کرتے تھے۔ اس جلوس کی نگرانی خواجہ نظام الملک طوسی اور امیر سعدالدولہ گوہر آئین (امیر برسق) کے سپرد تھی۔

جس دن یہ جلوس بغداد پہنچا، سارے شہر میں بڑے اہتمام سے چراغاں کیا گیا تھا اور بغداد کا کوچہ کوچہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ خلیفہ نے اپنے وزیر ابو شجاع اور کئی دوسرے سرکردہ امراء کو تین سو مشعل برداروں کی معیت میں جلوس کے استقبال کے لیے بھیجا۔ ابو شجاع نے ترکان خاتون کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ سیدنا و مولانا امیر المؤمنین نے پیغام بھیجا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ

اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۔ (۵۸)

(بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر دو)

ترکان خاتون نے جواب دیا: "بسرو چشم"

چنانچہ جلوس حریم خلافت کی طرف روانہ ہوا۔ خواجہ نظام الملک دوسرے اعیان سلطنت کے ہمراہ آگے چل رہا تھا۔ اُن کے ساتھ سینکڑوں شمعیں اور مشعلیں روشن تھیں، ان کے بعد امرائے دولت کی خواتین کے محفے تھے جن کے اردگرد ہزارہا خُدام اور مشعل بردار تھے۔ ان کے پیچھے دلہن کا خاص محفہ تھا جس کے گرد دو سو ترکی لونڈیاں زرق برق ملبوسات میں گھوڑوں پر سوار تھیں۔ قصرِ خلافت میں شاہی خاندان اور ارکانِ دولت کی خواتین نے ترکان خاتون کا استقبال کیا۔ تمام مہمان خواتین کو محفوں سے اتارا اور دلہن کو حجلۂ عروسی میں مسند پر جا بٹھایا۔

دوسرے دن خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے ترکان خاتون اور ان تمام خواتین کو جو اس کے ساتھ آئی تھیں، بیش قیمت خلعت بھیجے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے شاندار دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کیا۔ اس میں تمام سردارانِ لشکر، امراء دولت، رؤسائے شہر، چھوٹے بڑے تمام ملازموں، اہلِ خدمت اور غربا و مساکین کو کھانا کھلایا گیا۔ جس شان کی یہ دعوت تھی اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ صرف شکر اس میں چالیس ہزار من صَرف ہوئی۔ دعوتِ ولیمہ کے بعد خلیفہ نے تمام سردارانِ لشکر اور اعیانِ سلطنت کو خلعت عنایت کیے۔ اس طرح نہایت پُرمسرت ماحول میں یہ تقریب ختم ہو گئی۔

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اہلِ بغداد نے اس شان کی شادی اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

سلطان ملک شاہ کے آخری زمانے میں ترکان خاتون وزیر اعظم خواجہ نظام الملک طوسی سے اس بناء پر ناراض ہو گئی کہ وہ اس کے نابالغ بیٹے محمود کے بجائے شاہزادہ برکیاروق کو ولی عہد بنانے کا حامی تھا جو ملک شاہ

کی دوسری بیگم زبیدہ بنت یاقوتی بن داؤد کے بطن سے تھا۔ اس کی یہی ناراضی خواجہ نظام الملک کی معزولی پر منتج ہوئی۔

شوال ۴۸۵ھ میں سلطان ملک شاہ نے قیام بغداد کے دوران میں وفات پائی تو ملکہ ترکان خاتون نے اس کی موت کو مخفی رکھا اور اس کی میت نہایت خاموشی سے اصفہان روانہ کردی جہاں اس کو مدرسۂ اعظم میں سپرد خاک کیا گیا۔ ترکان خاتون خود بھی اصفہان پہنچ گئی اور اپنے بیٹے محمود کی بادشاہت کا اعلان کردیا ساتھ ہی شہزادہ برکیاروق کو اپنے آدمی بھیج کر گرفتار کرلیا لیکن برکیاروق اپنے چند ہواخواہوں کی مدد سے اصفہان کے قید خانے سے فرار ہوگیا۔ اس کے بعد برکیاروق اور محمود (یا دوسرے لفظوں میں ترکان خاتون) کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ ۴۸۷ھ تک ملک کی یہ کیفیت تھی کہ دارالسلطنت اصفہان اور اس کے متعلقات پر ترکان خاتون کا قبضہ تھا اور باقی سلطنت کے بیشتر علاقے برکیاروق کے زیر اقتدار تھے۔ اسی اثناء میں ترکان خاتون کا وقت آخر آپہنچا اور اس نے رمضان ۴۸۷ھ میں پیک اجل کو لبیک کہا۔ اس کے ایک ماہ بعد اس کا چہیتا بیٹا محمود بن ملک شاہ بھی چیچک میں مبتلا ہوکر انتقال کرگیا۔ (نظام الملک طوسی۔ مشاہیر نسواں وغیرہ)

بی بی اَمَۃُ العزیزؒ

ان کا شمار پانچویں صدی ہجری کے علماء عصر اور فقہائے دہر میں ہوتا ہے۔ اندلس (ہسپانیہ) کی رہنے والی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھیں۔ اپنے حسب و نسب اور علم و فضل کی بناء پر "الشریفہ" کے معزز لقب سے مشہور تھیں۔ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔

علامہ مقری نے "نفح الطیب" میں ابوالخطاب بن دحیہ کی کتاب "کتاب المطرب" کے حوالے سے ان کے کچھ شعر بھی نقل کیے ہیں۔ (سید امیر علی)

بی بی صفیہ بنتِ نظام الملک ؒ

عہدِ سلاجقہ کے نامور وزیر خواجہ نظام الملک[1] طوسیؒ (المتوفی ۴۸۶ھ) کی دخترِ نیک اختر تھی۔ بعض مؤرخین نے اس کا نام زبیدہ لکھا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک صحیح نام صفیہ ہی ہے۔ فاضل باپ نے اس کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے کی اس لیے وہ علم و فضل کے اعتبار سے یگانۂ روزگار ہو گئی۔

---

[1] اس کا نام حسن کنیت ابوعلی اور لقب نظام الملک قوام الدین تھا۔ تاریخِ اسلام میں اس سے بڑا مدبّر اور علم دوست وزیر آج تک پیدا نہیں ہوا۔ وہ ۴۰۸ھ میں نوقان (طوس۔ ایران) میں پیدا ہوا اور علومِ متداولہ کی تحصیل و تکمیل کے بعد داؤد بن میکائیل سلجوقی کے پاس چلا گیا، اس نے اس کو اپنے فرزند الپ ارسلان کا اتالیق مقرر کر دیا۔ ۴۵۵ھ میں الپ ارسلان تختِ حکومت پر بیٹھا تو اس نے نظام الملک کو اپنا وزیر بنا لیا۔ دس برس کے بعد جب الپ ارسلان نے شہادت پائی تو نظام الملک کی تائید و حمایت سے اس کا فرزند ملک شاہ تخت و تاج کا مالک بنا۔ اس نے سلطنت کا تمام کاروبار نظام الملک کے سپرد کر دیا اور وہ دولتِ سلجوقیہ کے سیاہ و سپید کا مالک بن گیا۔ اس نے اپنے حسنِ انتظام سے سلجوقی سلطنت کو ایک مثالی حکومت بنا دیا۔

وہ نہایت متدیّن، پابندِ شریعت، نیک طینت اور علم دوست انسان تھا۔ اذان کی آواز کان میں پڑتی تو خواہ کیسے ہی اہم کام میں مشغول ہوتا اس کو چھوڑ کر نماز کی طرف لپکتا تھا۔ اس نے تمام عملداری میں بے شمار مدارس و مکاتب قائم کیے اور ان کے اخراجات کے لیے نہ صرف شاہی خزانے سے چھ لاکھ دینار کی رقم مقرر کی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ علمی قابلیت کے اعتبار سے اپنے عہد کی خواتین میں خاص امتیاز رکھتی تھی۔ اس کی شادی خلیفہ مقتدی کے وزیر عمید الدولہ ابو منصور محمد بن فخر الدولہ بن جہیر سے ۴۶۲ھ ہجری میں ہوئی۔ اس نیک بی بی نے اپنے والد کے سامنے ہی ۴۷۰ھ میں وفات پائی۔

(امیر علی۔ نظام الملک طوسی)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

بلکہ خاص اپنی جاگیروں کی آمدنی کا دسواں حصہ بھی ان کے لیے وقف کردیا۔ نیشاپور کا مدرسۂ نظامیہ اس کی علمی فیاضی کا پہلا دیباچہ تھا۔ ۴۵۹ھ میں اس نے بغداد میں ایک عظیم الشان دارالعلوم یا یونیورسٹی قائم کی اور اس میں دور دراز ملکوں سے نامور علماء کو بلاکر گرانقدر مشاہروں پر تعلیم و تدریس پر مامور کیا۔ یہ دارالعلوم نظامیۂ بغداد کے نام سے مشہور ہوا اور اس کا نصاب تعلیم "درسِ نظامی" صدیوں تک تمام دنیائے اسلام کے مدارس میں مروّج رہا۔ (پاک و ہند کے دینی مدارس میں جو درسِ نظامی مروّج ہے اس کا تعلق مدرسۂ نظامیہ بغداد کے نصاب سے نہیں ہے بلکہ اس کو ملّا نظام الدین سہالی المتوفی ۱۱۶۸ھ کے اسمِ گرامی سے نسبت ہے) نظامیۂ بغداد کی شاخیں ہرات، موصل، اصفہان اور کئی دوسرے شہروں میں بھی قائم ہوگئیں۔ خواجہ نظام الملک نے اشاعتِ تعلیم کے سلسلے میں جو کام کیا وہ اس کا دنیائے اسلام پر ایسا احسان ہے، جو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

علاوہ ازیں نظام الملک نے سیاست نامہ کے نام سے قانونِ سلطنت مرتّب کیا اس کو پڑھ کر خواجہ کے بے مثال تدبّر کا لامحالہ اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

ملّتِ اسلامیہ کے اس نامور فرزند کو رمضان المبارک ۴۸۵ھ میں ایک باطنی فدائی نے شہید کر ڈالا۔ (نظام الملک طوسی از منشی عبدالرزاق)

بی بی اُمّ الخیر حجازیہ

حجازِ مقدس کی رہنے والی تھیں لیکن وہاں سے مصر آکر مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ بڑی عالمہ فاضلہ خاتون تھیں ان کا شمار فاطمیین کے دورِ حکومت کی یگانۂ روزگار عالمات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ۴۱۵ھ میں مسجد قاہرہ میں اپنی درسگاہ قائم کی تھی جس سے ہزاروں تشنگان علم نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ ان کو وعظ و خطابت میں بھی کمال حاصل تھا۔ ایسا پُر تاثیر وعظ کرتی تھیں کہ لوگوں کے دل پگھل جاتے تھے۔

(بنات الاسلام کی دینی وعلمی خدمات)

بی بی فاطمہ بنتِ الاقرع

حسن بن علی العطا کی بیٹی تھی۔ حسن کو غالباً اس کے سر پر بال نہ ہونے کی وجہ سے "الاقرع" کہا جاتا تھا اس لیے یہ بھی بنت الاقرع کے نام سے مشہور ہوئی۔ بغداد کی رہنے والی تھی۔ اس کا شمار پانچویں صدی ہجری کی شہرۂ آفاق خوش نویس خواتین میں ہوتا ہے۔ فن کتابت میں وہ اپنے تمام ہم عصر مردوں اور عورتوں کو بہت پیچھے چھوڑ گئی تھی اور وہ سب اس کی تقلید کرنے پر مجبور تھے۔ فرمانروایانِ وقت بھی اس کے کمالِ فن کے معترف اور قدردان تھے اور دوسرے ممالک کے فرمانرواؤں کو جو اہم خطوط اور صلح نامے بھیجتے تھے وہ فاطمہ بنت الاقرع ہی سے کتابت کرواتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اس نے اپنی کتابت کا ایک صفحہ وزیرِ مملکت

ابونصر عَمید الملک کندری[1] کی خدمت میں پیش کیا وہ اس کو دیکھ کر اس قدر خوش ہوا کہ اس نے بنت الاقرع کو ایک ہزار دینار انعام دیئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ کتابت کا یہ صفحہ دراصل ایک صلحنامہ تھا۔ اس کی رو سے اس وقت کے سلجوقی حکمران اور شاہِ روم کے درمیان صلح کا عہد و پیمان ہوا تھا۔ شاہِ روم کے پاس یہ صلحنامہ گیا تو اس کو بھی اس کی کتابت اس قدر پسند آئی کہ اس نے اسے محفوظ کر لیا۔ (معجم البلدان)

---

[1] ابونصر محمد بن منصور ملقب بہ عَمید الملک کندری آٹھ سال تک سلطان طغرل بیگ سلجوقی (۴۲۹ھ تا ۴۵۵ھ) کا وزیر رہا۔ بڑا عالم فاضل آدمی تھا اور عربی و فارسی ادب و انشاء پر مشاقانہ قدرت رکھتا تھا۔ محض اپنی ذاتی قابلیت اور محنت کی بدولت معمولی حیثیت سے درجۂ وزارت تک پہنچا۔ مؤرخین نے اس کے فضل و کمال اور جود و سخا کی بڑی تعریف کی ہے لیکن ساتھ ہی لکھا ہے کہ مذہبی معاملات میں بعض اوقات بہت متشدد ہو جاتا تھا۔ پہلے اس نے سلطان طغرل بیگ سے اہلِ تشیع پر خطبوں میں لعنت بھیجنے کا حکم جاری کرایا۔ پھر اشعریوں پر لعنت بھیجے کا فرمان حاصل کیا۔ اُس کے اس رویے کے خلاف لوگوں میں بے چینی پھیل گئی اور امام ابوالقاسم قشیریؒ اور امام الحرمین جوینیؒ جیسے فضلائے زمانہ دوسرے بیسیوں علماء کے ساتھ نیشاپور سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔

سلطان طغرل بیگ کے انتقال (۴۵۵ھ) کے بعد عمید الملک نے در پردہ الپ ارسلان کے مقابلے میں سلیمان کی حمایت کی اس سے الپ ارسلان کے دل میں اس کے خلاف کھٹک پیدا ہو گئی چنانچہ تخت نشین ہونے کے کچھ عرصہ بعد الپ ارسلان نے اس کو وزارت سے معزول کر کے قید کر دیا اور ایک سال بعد ۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ کو قتل کروا دیا۔ قتل کے وقت اس کی عمر چالیس برس کے لگ بھگ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب جلاد تلوار لے کر اس کے سر پر کھڑا ہوا تو اس نے الپ ارسلان کو پیغام بھیجا کہ تیرے چچا (طغرل بیگ جو لاولد فوت ہوا تھا) نے مجھے وزیر بنایا اور تو شہادت کے مرتبے پر فائز کر رہا ہے اس کا مجھے آخرت میں اجر ملے گا۔ (نظام الملک طوسی)

بی بی کریمہ بنتِ احمد مروزیؒ

ان کا شمار پانچویں صدی ہجری کی شہرۂ آفاق عالمات میں ہوتا ہے ۔
احمد بن محمدؒ بن ابی حاتم کی صاحبزادی تھیں ۔ ایران کے شہر مرو (MERV) میں پیدا ہوئیں ۔ سالہا سال تک دینی علوم کی تحصیل کرتی رہیں ۔ کئی یگانۂ روزگار علماء سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے اجازہ حاصل کیا پھر مکہ معظمہ چلی گئیں اور وہیں حدیث کا درس دیا کرتی تھیں ۔ اَندلُس کے مشہور محدث ابوبکر محمد بن سابق صقلیؒ ، بی بی کریمہ مروزیؒ ہی کے شاگرد تھے ۔ وہ صقلیہ (سسلی) میں دولتِ اسلامی کے زوال کے بعد مشرق روانہ ہوئے اور مکہ معظمہ میں بی بی کریمہؒ سے حدیث کی تحصیل کی پھر وہاں سے اَندلُس پہنچے اور اہلِ غرناطہ کو اپنی ان احادیث سے فیض یاب کیا جن کی تحصیل مشرق میں کی تھی ۔
ابن بشکوال لکھتا ہے :

روی عن کریمہ بنت احمد المروزی وغیرھا وقدم الاندلس واخذ عنہ اھل غرناطہ ۔

یعنی (ابوبکر محمدؒ نے) کریمہ بنت احمد مروزی وغیرہا سے روایت کی ۔ وہ اندلس آئے اور ان سے اہلِ غرناطہ نے تحصیل کی ۔
علامہ خطیب بغدادیؒ نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ میں نے ۴۶۳ھ کے ایامِ حج میں کریمہؒ سے صحیح بخاری کا سماع کیا ۔
محدثہ کریمہؒ کی مجالسِ درس میں سینکڑوں لوگ شریک ہوتے تھے اور مقدور بھر فیض اٹھاتے تھے ۔ ان سے کسبِ فیض کرنے والوں میں محدث ابوبکر محمدؒ بن سابق صقلیؒ ، علامہ خطیب بغدادیؒ اور علامہ ابو طالب زینبیؒ کے علاوہ

متعدد دوسرے بلند پایہ اربابِ فضل و کمال شامل ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ بی بی کریمہؒ حدیث اور دوسرے علوم مروّجہ میں کمال رکھنے کے علاوہ رموزِ معرفت سے بھی خوب آشنا تھیں۔ انہوں نے باختلافِ روایت ۴۶۴ھ یا ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیاء۔ تاریخِ صقلیہ)

بی بی زلیخاؒ بنتِ علی

خواجہ نظام الملک طوسی (المتوفی ۴۸۵ھ) کی لائق بہن تھی۔ نہایت عالمہ فاضلہ تھی۔ اپنے عظیم بھائی کی طرح بے حد معارف پرور اور اہلِ علم کی قدر دان تھی۔ اس کا شمار پانچویں صدی ہجری کی بلند پایہ عالمات اور اہلِ ہنر و کمال خواتین میں ہوتا ہے۔ بعض مؤرخین نے اسے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ وہ حسنِ صورت و سیرت، دانش و بصیرت اور علم و فضل کے اعتبار سے اپنی ہم عصر خواتین کی سرتاج تھیں۔ (سید امیر علی)

بی بی نزہون

شہر غرناطہ (اندلس) کی رہنے والی تھی۔ والد کا نام ابوبکر غسانی تھی۔ پانچویں صدی ہجری میں تمام دنیائے اسلام میں اس کے کمالاتِ علمی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ وہ علمِ ادب، علمِ تاریخ اور علمِ امثال میں دست گاہِ کامل رکھتی تھی اس کے علاوہ بہت اونچے درجے کی شاعرہ بھی تھی۔ اس نے تمام علوم ابوبکر مخزومیؒ سے حاصل کیے تھے جو ایک نابینا عالم تھے۔

علامہ مقری نے "نفح الطیب" میں اس کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔ (نفح الطیب)

بی بی اسماء

یمن کے حکمران ابو کامل علی بن محمد صلیحی (۴۲۹ھ تا ۴۷۳ھ) کی اہلیہ تھی۔ (بنو صلیح یا صلیحی ایک شیعی خاندان تھا جو یمن پر ۴۲۹ھ سے ۴۹۲ھ تک حکمران رہا۔ صلیحی حکمرانوں کا پایہ تخت صنعاء تھا۔)

اسماء حسن و جمال، تدبیر و دانش، علم و فضل اور شجاعت میں بے مثال تھی۔ وہ اپنے شوہر کی بنت عم تھی۔ علی بن محمد کو دشمنوں سے جو معرکے پیش آئے اسماء ان سب میں اس کی دست و باز و بنی رہی۔ ایک دفعہ جب وہ اپنے شوہر کی معیت میں مکہ معظمہ جا رہی تھی کہ اچانک دشمنوں نے چھاپہ مارا۔ علی بن محمد کے ساتھ آدمی کم تھے۔ اس کو شکست ہوئی اور اسماء دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئی۔ وہ ایک عرصہ تک ان کے پاس قید رہی۔ اس پر سخت پہرہ رہتا تھا لیکن اس نے اپنی رہائی کے لیے ایک عجیب ترکیب کی۔ ایک قاصد کو جو ایک گداگر کی صورت میں تھا اس نے روٹی کے اندر ایک خط رکھ کر اپنے بیٹے المکرم احمد کے پاس روانہ کیا۔ اس خط میں ضروری ہدایات درج تھیں۔ یہ خط ملتے ہی مکرم ایک بھاری فوج لے کر دشمن پر حملہ آور ہوا اور اپنی ماں کو آزاد کرا لیا۔ اسماء نے ۴۷۹ھ میں وفات پائی۔

(خواتینِ اسلام کی بہادری بحوالہ تاریخ عمارہ یمنی)

بی بی سیّدہ

علی بن محمد صلیحی اور اسماء کے بیٹے المکرم احمد کی بیوی تھی۔ اس کی پرورش اور تربیت اسماء ہی نے کی تھی۔ المکرم احمد ۴۷۳ھ میں یمن کے تختِ حکومت پر بیٹھا۔ وہ بڑا آرام طلب آدمی تھا اور عیش و عشرت کی زندگی کا عادی تھا۔ سیّدہ بڑی لائق اور دانا خاتون تھی۔ اس نے شوہر کے یہ لچھن دیکھے تو کاروبارِ حکومت اپنے ہاتھ میں

لے لیا اور نظم سلطنت میں کسی قسم کا خلل نہ پڑنے دیا۔ اس نے کئی شہر آباد کیے بہت سی نئی عمارتیں بنوائیں۔ دشمنوں سے معرکہ آرائیاں کیں اور اپنی تدبیر و شجاعت سے ان کو زیر کیا۔ مصر کی دولتِ فاطمیہ بھی اس کی مرتبہ شناس تھی۔ چنانچہ فاطمی خلیفہ کی طرف سے حکومتِ یمن کے نام جو مراسلے آتے تھے ان میں سیدہ کے لیے بڑے بڑے القابِ شاہی استعمال کیے جاتے تھے۔ (خواتینِ اسلام کی بہادری بحوالہ تاریخ عمارۂ یمنی)

بی بی اعتماد رامقیہ

پانچویں صدی ہجری کے پہلے ربع میں اندلس میں بنو امیہ کا آفتابِ اقبال غروب ہو گیا تو ملک میں ہر طرف افراتفری پھیل گئی اور مختلف علاقوں اور شہروں میں بیس کے قریب چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان میں سے ہر ایک کا حکمران امیر المؤمنین کہلاتا تھا۔ ان ریاستوں میں اشبیلیہ کی ریاست کو دوسری تمام ریاستوں میں ممتاز حیثیت حاصل تھی اور آخری حکمران المعتمد علی اللہ (ابو القاسم محمد بن عباد) تھا۔ اس نے ۴۶۱ھ ہجری سے ۴۸۴ھ ہجری تک اشبیلیہ پر حکومت کی۔ وہ نہایت اونچے درجے کا عالم اور شاعر تھا، اس کے ساتھ ہی نہایت بہادر اور فیاض بھی تھا۔ اعتماد رامقیہ اسی کی ملکہ تھی۔

وہ بلدہ رامقہ (واقع اسپین) کی رہنے والی تھی اسی لیے رامقیہ کہلاتی تھی۔ اعتماد بڑی عالمہ اور فاضلہ بی بی تھی اور اس کا شمار ادیبانِ وقت میں کیا جاتا تھا۔ علم و ادب سے اس کے شغف کے کئی دلچسپ واقعات مشہور ہیں۔ (سید امیر علی)

چھٹی صدی ہجری

۱- بی بی فاطمہؒ بنت المثنیٰ ——— (عارفہ)

۲- بی بی فاطمہؒ بنت حسینؒ ——— (عارفہ، واعظہ)

۳- بی بی فاطمہ بنتِ محمدؒ سلجوقی (عالمہ، ادیبہ، انشاپرداز)

۴- ربیعہ خاتونؒ ——— (عالمہ فاضلہ، مخیرّ)

۵- بی بی شمس الضحیٰؒ ——— (عالمہ، عارفہ)

۶- ملکہ رضیع خاتون (مومنہ صالحہ، مخیرّ، معارف پرور)

۷- بی بی اسماء اندلسیہ ——— (شاعرہ، خطاطہ)

۸- بی بی فاطمہ بنتِ نصرؒ ——— (عارفہ)

۹- بی بی بنت الکفیری ——— (عالمہ)

۱۰- بی بی زینبؒ بنت عبدالرحمٰن (عالمہ، معلّمہ)

۱۱- عصمۃ خاتونؒ (علم دوست، مخیرّ، خیرخواہ خلق)

۱۲- زمرّد خاتون ——— (علم دوست، فیاض)

۱۳- بی بی من میلؒ ——— (عارفہ)

۱۴- بی بی حفصۃ المرکینیہ (عالمہ، خطیبہ، مجاہدہ)

۱۵- بی بی صفیہ بنت عبدالملک (طبیبہ، ماہرِ امراضِ نسواں)

۱۶- بنتِ زُہر ——— (طبیبہ، ماہرِ امراضِ نسواں)

۱۷- بی بی زینب بنت عمروؒ ——— (عالمہ، مخیرّ)

۱۸- بی بی حفصہ اندلسیہ ——— (عالمہ، شاعرہ)

۱۹- اُمّ الکہناؒ ——— (عالمہ، شاعرہ، مصنفہ)

۲۰- بی بی ست العلماء شامیہؒ (عالمہ، واعظہ)

۲۱- فخر النساء شہدہؒ (محدثہ، کاتبہ، معلّمہ)

۲۲- بی بی سفریؒ ——— (محدّثہ)

۲۳- ملکہ ترکان خاتون (مدبّرہ، قوی دل)

۲۴- بی بی جوہرہؒ ——— (عالمہ، واعظہ)

۲۵- بی بی بلادہ اُمّ عباس ——— (دانا، مخیرّ)

۲۶- بی بی تقیہ شامیہ ——— (عالمہ، شاعرہ)

بی بی فاطمہؒ بنت المثنیٰ

چھٹی / ساتویں صدی ہجری میں بہت خدا رسیدہ خاتون گزری ہیں۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی نے سالہا سال ان کی خدمت کی اور ان سے اکتسابِ فیض کیا[1] انہوں نے اپنی کتاب "فتوحاتِ مکیہ" میں لکھا ہے:۔

"میں نے سالہا سال حضرت فاطمہ کی خدمت کی ہے اس وقت ان کا سن ۹۵ سال سے بھی اوپر تھا لیکن مجھ کو ان کے چہرے کی طرف دیکھنے سے شرم محسوس ہوتی تھی کیونکہ ان کی صحت ایسی عمدہ تھی کہ چہرے کی تر و تازگی کے باعث وہ چودہ سال کی دوشیزہ معلوم ہوتی تھیں۔"

ابنِ عربی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ فاطمہؒ مجھ سے مخاطب ہوئیں اور فرمایا:

"میں حیران ہوں کہ لوگ خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر روتے ہیں۔ اللہ سے قربت اور محبت تو یہ ہے کہ وہ جس حال میں رکھے اس میں خوش رہیں، رونا کیسا، کیوں بیٹا تیرا کیا خیال ہے؟

میں نے عرض کیا، آپ کا فرمانا بجا اور درست ہے۔

---

[1] شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی کا پورا نام ابوبکر محمد بن علی محی الدین الحاتمی الطائی ہے۔ ۵۶۰ھ میں اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں اشبیلیہ چلے گئے جو اس زمانے میں ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا۔ وہ پورے تیس سال اس شہر میں مقیم رہے اور اس دوران میں وہاں کے مشہور علماء اور صوفیہ سے علومِ ظاہری و باطنی کی تعلیم حاصل

(باقی اگلے صفحہ پر)

ایک دن ایک عورت بی بی فاطمہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میرا شوہر یہاں سے بہت دور ایک شہر میں ہے اگر وہ زیادہ عرصہ وہاں رہا تو

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کی۔ اس کے بعد ۵۹۸ھ میں وہ مشرقی ممالک کی سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور مصر، بغداد، مکہ معظمہ، حلب، بیت المقدس وغیرہ گئے۔ اخیر میں وہ مستقل طور پر دمشق میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۶۳۸ھ میں وفات پائی۔ ابن عربی تصوف اور بعض دوسرے موضوعات پر اپنی تصنیفات کے عظیم ذخیرے کی بنا پر تاریخ اسلام کی بڑی اہم شخصیت ہیں لیکن ان کے مقام اور مرتبہ کے بارے میں اربابِ علم میں شدید اختلاف ہے۔ اس اختلاف کو اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"بعض لوگوں کی رائے میں وہ ولی کامل تھے، قطبِ زماں تھے اور علمِ باطنی میں ایسی سند تھے جس میں کلام ہی نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف ایک ایسا گروہ تھا جس کے نزدیک وہ بدترین قسم کے مُلحد تھے۔ آپ کے بہت سے مدّاح جلیل القدر علماء بھی تھے جنہوں نے آپ کے عقائد کی حمایت میں کتابیں لکھیں۔ مثال کے طور پر مجدالدین فیروز آبادی، سراج الدین المخزومی، الفخر الرازی، الجلال السیوطی اور عبدالرزاق الکاسانی کا ذکر کیا جاتا ہے متاخرین میں سے عبدالوہاب الشعرانی کے نام کا اضافہ کر لینا کافی ہے آپ کے بعض مشہور و ممتاز مخالفین میں رضی الدین بن الخیّاط، الذہبی، ابن تیمیہ، ابن ایاس، علی القاری اور جمال الدین محمد بن نورالدین صاحب "کشف الغمّۃ عن ہذہ الامّۃ" شامل تھے۔ آج بھی ابن العربی کی تصنیفات کے بارے میں اس قسم کا متضاد رویّہ اختیار کیا جاتا ہے یعنی بعض مسلمان انہیں بڑی قدر و قیمت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور طریقِ تصوّف میں قدم رکھنے والے ہر شخص کو ان کے مطالعے کی تلقین کرتے ہیں لیکن بعض ان کی مذمّت کرتے

(باقی اگلے صفحہ پر)

مجھے ڈر ہے کہ دوسرا نکاح کرلے گا۔ آپ دعا کریں کہ وہ یہاں آجائے۔"
بی بی فاطمہؒ نے کہا "بہت اچھا" یہ کہہ کر انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہیں اور اپنے پیروؤں کو ان کی تصنیفات پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ محی الدین ابنِ عربی کی تمام تر شہرت ان کے نظریۂ وحدت الوجود کی وجہ سے ہے جسے انہوں نے بڑی آب وتاب سے پیش کیا ہے۔ لیکن نظریۂ "وحدت الوجود" یا "ہمہ اوست" کے بارے میں علماء و صوفیہ میں سخت اختلافِ رائے ہے بعض تو اس کو من وعن قبول کرتے ہیں اور بعض اس کو سراسر گمراہی قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کے بجائے نظریۂ وحدتِ شہود یا ہمہ از وست کے علمبردار ہیں۔

ابنِ عربی کی چند مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں:

(۱) الفتوحات المکیّہ
(۲) فصوص الحکم
(۳) الاربعون صحیفہ من الاحادیث القدسیّۃ۔
(۴) تاج الرسائل ومنہاج الوسائل
(۵) انشاء الدوائر
(۶) الصلوٰۃ الاکبریہ
(۷) مختصر فی مصطلحات صوفیہ
(۸) مفاتیح الغیب
(۹) مجموع الرسائل الالٰہیّۃ
(۱۰) محاضرۃ الابرار ومسامرۃ الاخیار فی الادبیات والنوادر والاخبار
(۱۱) ذخائر الاعلاق
(۱۲) روح القدس

(باقی اگلے صفحہ پر)

شروع کر دی۔ ابنِ عَرَبی بھی ان کے پاس موجود تھے کہ ایک صورت فاطمہ کے سامنے آئی انہوں نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"فلاں شہر میں جا اور اس عورت کے خاوند کو یہاں لے آ۔"

ابنِ عَرَبی کہتے ہیں کہ تھوڑی ہی مدت کے بعد اس عورت کا خاوند واپس آ گیا۔ حضرت فاطمہؒ کے سورۂ فاتحہ پڑھنے اور اس شخص کے آنے میں صرف اتنی دیر لگی جتنی کہ اس مسافت کو معمولاً طے کرنے میں لگتی تھی۔ انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ذریعے کئی مؤکلات حضرت فاطمہؒ کے تابع تھے۔

(مشاہیر نسواں وغیرہ)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

(۱۳) شجرۃ الکون
(۱۴) قصیدہ المعشرات
(۱۵) مواقع النجوم ومطالع اھلتہ الاسرار والعلوم
(۱۶) القرعۃ المبارکۃ المیمونۃ والدرۃ الثمینۃ المصونۃ
(۱۷) قرعۃ الطیور لاستخراج الفال والضمیر
(۱۸) تحفۃ السفرہ الی حضرۃ البررۃ
(۱۹) رد المعانی الآیات المتشابہات الی معانی الآیات المحکمات
(۲۰) تفسیر
(۲۱) دیوان

بی بی فاطمہؒ بنتِ حسین

حسین بن حسن کی صاحبزادی تھیں ۔ بڑی باکمال اور خدا رسیدہ خاتون ہوئی ہیں۔ نہایت فصیح و بلیغ اور پُرتاثیر وعظ کہا کرتی تھیں۔ ان کی مجالس وعظ میں خواتین کا بہت بڑا مجمع ہوا کرتا تھا اور اکثر گمراہ بیبیاں ان کے وعظ کی تاثیر سے راہِ ہدایت پر گامزن ہو جاتی تھیں ۔

بی بی فاطمہؒ نے ۵۲۱ھ ہجری میں وفات پائی ۔

(خزینۃ الاصفیاء)

بی بی فاطمہؒ بنت محمدؒ سلجوقی

سلطان غیاث الدین ابو شجاع محمدؒ سلجوقی (۴۹۸ھ تا ۵۱۱ھ) بن سلطان ملک شاہ سلجوقی کی دخترِ نیک اختر تھی۔ اس کی شادی اکتیسویں عباسی خلیفہ ابو عبداللہ المکتفی لامر اللہ (۵۳۰ھ تا ۵۵۵ھ) بن مستظہر باللہ کے ساتھ ہوئی نہایت عالمہ فاضلہ اور مہذب خاتون تھی۔ نہ صرف خانگی آداب میں بلکہ ملکی معاملات میں بھی اعلیٰ بصیرت رکھتی تھی ۔ وہ اکثر اپنے شوہر (المکتفی لامر اللہ) کے لیے فرامین و مراسلات لکھتی اور پڑھتی تھی ۔ سیاسی امور میں اس کی رائے نہایت صائب ہوا کرتی تھی۔ اس کی بے نظیر صلاحیتوں کی وجہ سے اس کی اقامت گاہ " درگاہ خاتون " کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی تھی ۔

فاطمہؒ بنتِ محمدؒ نے ۵۴۲ھ میں وفات پائی ۔ (سید امیر علی)

ربیعہ خاتونؒ

نجم الدین ایوب کی بیٹی اور مجاہدِ اعظم سلطان صلاح الدین ایوبیؒ فاتح بیت المقدس کی بہن تھی۔ بڑی عالمہ فاضلہ اور مخیر خاتون تھی۔ اس نے دمشق (شام) کے مقام جبل قاسیون میں ایک عظیم الشان دینی مدرسہ تعمیر کروایا جو "مدرسہ خاتونیہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ ربیعہ خاتون نے اس مدرسہ کے لیے ایک بڑی جائداد وقف کی جس کی آمدنی سے اس مدرسہ کے تمام اخراجات پورے کیے جاتے تھے۔ ربیعہ خاتون کی وفات کے بعد اس کی آخری آرام گاہ اسی مدرسہ کے اندر بنائی گئی۔ یہ مدرسہ کسی نہ کسی صورت میں اب بھی قائم ہے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مدرسہ کے علاوہ ربیعہ خاتون نے دمشق میں ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی جو خانقاہِ خاتونیہ کے نام سے مشہور تھی۔

(مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات)

بی بی شمس الضحیٰؒ

ان کا شمار چھٹی صدی ہجری کی نامور عالمات وعارفات میں ہوتا ہے۔ شیخ محمد بن عبد الجلیلؒ کی صاحبزادی تھیں۔ انہوں نے پہلے علمِ حدیث کی تحصیل بڑی محنت سے کی اس کے بعد ان کا رجحانِ طبع زہد وتصوف کی طرف ہوگیا چنانچہ شیخ الطریقت ضیاء الدین ابو النجیب سہروردیؒ (المتوفی ۵۶۳ھ) سے تصوف کی تعلیم وتربیت حاصل کی پھر بیشمار خواتین کو اپنے فیوض وبرکات سے بہرہ ور کیا۔ زہد واتقا اور علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھیں۔

(خواتینِ اسلام کی دینی اور علمی خدمات)

رضیع خاتون

معین الدین انار[1] کی بیٹی اور سلطان نور الدین محمود زنگیؒ[2] کی بیگم تھی۔

"دائرۂ معارف اسلامیہ" میں ہے کہ اس کا اصل نام "خاتون" تھا لیکن بعض مؤرخین نے وثوق کے ساتھ اس کا نام رضیع خاتون لکھا ہے۔ سلطان نور الدین محمودؒ

---

[1] معین الدین انار دمشق کے خاندانِ بوریمن کے آخری فرمانروا مجیر الدین ایبک کا وزیر اعظم تھا۔ مجیر الدین ایبک نے سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک اسی کو بنا رکھا تھا۔ وہ بوریمن کا دل و جان سے بہی خواہ تھا۔ ۵۴۳ھ میں اس نے کئی ماہ تک صلیبی حملہ آوروں کا بڑی استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ سلطان نور الدینؒ کو خبر ہوئی تو وہ ایک بھاری لشکر لے کر اس کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ صلیبیوں نے اس کی پیشقدمی کی خبر سنی تو دمشق کا محاصرہ اٹھا کر یروشلم کی طرف چلے گئے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد معین الدین انار نے وفات پائی۔

[2] الملک العادل سلطان نور الدین محمود زنگیؒ نامور فرمانروایانِ اسلام کی سلکِ مروارید کا ایک دُرِ بے بہا تھا۔ بعض مؤرخین نے خلفائے راشدینؓ کے بعد اس کو تمام فرمانروایانِ اسلام میں سب سے بہتر قرار دیا ہے۔ وہ صلیبیوں کے سب سے بڑے حریف عماد الدین زنگی شہیدؒ (المتوفی ۵۴۱ھ) والی موصل کا فرزند تھا۔ ۱۳ شوال ۵۱۱ھ کو پیدا ہوا۔ اس کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی، مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ اپنے اوصاف و محاسن کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ خشیتِ الٰہی، زہد و تقویٰ، جود و سخا، شوقِ جہاد، علم و فضل، عدل و انصاف، خدمتِ خلق، پابندیٔ شریعت، تبلیغِ حق اور اشاعتِ تعلیم کی بدولت اولیاء اللہ کی صف میں شامل کیے جانے کا مستحق ہے۔ اس کی راتیں مصلے پر اور دن میدانِ جہاد میں گزرتے تھے۔ اپنے مجاہد والد کی شہادت کے بعد اس نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے اس کی شادی ۵۴۱ھ (۱۱۴۷ء) میں ہوئی۔ وہ نہایت اعلیٰ سیرت اور کردار کی مالک تھی۔ گھر کا سارا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرتی تھی اور سلطان جو معمولی رقم اسے دیتا اُسی سے گھر کا خرچ چلاتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے سلطان سے کہا کہ آپ جو کچھ مجھے دیتے ہیں اس سے گھر کا خرچ بمشکل پورا ہوتا ہے اس لیے میرے نفقہ میں کچھ اضافہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

عنانِ حکومت سنبھالی تو صلیبیوں پر پے در پے ایسی ضربیں لگائیں کہ وہ اپنے شہر اور قلعے اس کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گئے۔ دوسری صلیبی جنگ میں صلیبی جنونیوں (CRUSADERS) نے دمشق کا محاصرہ کیا تو وہ ایک جرار لشکر لے کر دمشق کے محصور مسلمانوں کی مدد کے لیے روانہ ہوا۔ اس کی پیش قدمی کی اطلاع ملتے ہی صلیبی محاصرہ اٹھا کر فلسطین کی طرف بھاگ گئے۔ اس کے بعد سلطان مصر کی طرف متوجہ ہوا جو صلیبیوں کی سازشوں اور حملوں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ اس نے اپنے سپہ سالار شیرکوہ اور اس کے بھتیجے صلاح الدین کو ایک زبردست فوج دے کر مصر بھیجا۔ انہوں نے عیسائیوں کو شکست دے کر مصر سے نکال دیا۔ اس کے بعد شیرکوہ نے فاطمی خلیفہ العاضد کا وزیر بن کر مصر کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے وفات پائی تو صلاح الدین اس کا جانشین بنا۔ اس نے ۵۶۷ھ (۱۱۷۱ء) میں فاطمی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح مصر بھی سلطان نورالدین کے زیرِ نگین ہو گیا اور وہ شام اور مصر دونوں ملکوں کا فرمانروا بن گیا۔
سلطان نورالدین کی سب سے بڑی تمنا تھی کہ بیت المقدس کو صلیبیوں کے پنجے سے چھڑا لے لیکن اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ ۵۶۹ھ (۱۱۷۳ء) میں یہ تمنا دل میں لیے ہوئے فوت ہو گیا۔ سلطان نورالدین محمودؒ نے اپنی زندگی میں تمام دشمن طاقتوں کو لوہے کے چنے چبوا دیئے۔ اس کے چھوڑے ہوئے کام کو پورا کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کو دی اور چند سال بعد اس نے بیت المقدس پر پرچم اسلام بلند کر دیا۔

(حیاتِ نورالدین محمودؒ)

کر دیجیئے۔ سلطان نے خشمگین ہو کر جواب دیا :

" میرے پاس تین دکانوں کے کرایہ کی آمدنی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تم کو اسی قدر آمدنی پر گزر اوقات کرنی ہو گی۔ خدا کی قسم میں تمہاری خاطر اپنے پیٹ کو دوزخ کی آگ سے نہیں بھروں گا۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میرے قبضے میں بڑے بڑے ملک اور ان کے خزانے ہیں تو سمجھ لو کہ یہ سب کچھ عام مسلمانوں کا ہے میں تو صرف ان کا خزانچی ہوں۔ مجھے مطلق اختیار نہیں ہے کہ سرکاری خزانہ کو اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال پر صرف کروں۔ یہ مال دشمنانِ خدا کے خلاف جہاد یا مسلمانوں کی بہبود کے کاموں کے لیے وقف ہے۔ حمص کی تین دکانیں میں تمہیں ہبہ کر دیتا ہوں۔ تمہیں اختیار ہے کہ خواہ ان کو فروخت کر ڈالو یا ان کا کرایہ وصول کرتی رہو۔"

بیگم بھی بڑی باخدا خاتون تھی، سلطان کا جواب سن کر خاموش ہو گئیں اور پھر زندگی بھر اس سے اپنے نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ نہ کیا۔

رضیع خاتون کے بطن سے سلطان نورالدین کے صرف دو بچے ہوئے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام اسمٰعیل تھا اور لڑکی کا نام شمس النساء۔ سلطان نورالدین ملکہ رضیع خاتون کا بڑا قدردان تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں اس کے سوا کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔ اس کی وفات (۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء) کے تین سال بعد ۵۷۲ھ / ۱۱۷۶ء میں رضیع خاتون نے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ سے نکاح ثانی کر لیا۔

رضیع خاتون بہت مخیّر اور معارف پرور بی بی تھی۔ اگرچہ اس کے گھریلو اخراجات محدود تھے لیکن رفاہِ عامہ کے کاموں کے لیے اس کو سرکاری خزانے سے رقم مل جاتی تھی چنانچہ اس نے دمشق میں ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا جو اس کے نام کی نسبت سے خاتونیہ کہلایا۔ یہ مدرسہ بعد میں حوادث زمانہ کی نذر ہو گیا۔ دمشق کے باب النصر کے باہر اس نے ایک خانقاہ بھی تعمیر کرائی۔ اس نیک بی بی نے محرم ۵۸۱ھ / ۱۱۸۵ء میں وفات پائی۔ (حیاتِ نورالدین محمود۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

بی بی اسماء اَندُلسیہ

چھٹی صدی ہجری میں بڑی عالمہ اور فاضلہ خاتون گزری ہے۔ اَندلس کے شہر اشبیلیہ کی رہنے والی تھی۔ اس کا تعلق قبیلہ بنی عامر سے تھا۔ شعر و شاعری اور فنِ کتابت میں بھی بہت اونچا مقام رکھتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے مراکش اور اَندلس کے فرمانروا اور موحّدین کے سردار عبدالمؤمن (المتوفّی ۵۵۸ھ ہجری) کی شان میں ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا جس میں اس کو اپنی شکستہ حالی سے آگاہ کیا۔ اس قصیدے کے دو شعر یہ تھے:۔

عرفنا النصر والفتح المبینا	ہم نے نصر اور فتح مبین کو پہچان لیا
لسیدنا امیر المؤمنینا	اپنے آقا و سردار امیر المؤمنین کے لیے
اذا کان الحدیث عن المعالی	جب بھی اعلیٰ مراتب و معالی کے بارے میں گفتگو ہوگی تو
رایت حدیثکم فیھا شجونا	دیکھے گا کہ تمہاری باتوں کی حیثیت ان باتوں کی

سی ہوگی جو تمہیں غم و اندوہ میں مبتلا کرتی ہیں۔

(مشاہیر نسواں)

بی بی فاطمہؒ بنتِ نصر

نصر بن عطار کی صاحبزادی تھیں۔ زہد و عبادت میں اپنی نظیر آپ تھیں۔ عرصہ تک مجاہدات میں مشغول رہیں اور ایک خدا رسیدہ خاتون کی حیثیت سے شہرت پائی۔ لوگوں میں ان کی کرامات کا بہت چرچا تھا۔ ان کو پردہ کا خاص اہتمام تھا۔ ساری عمر میں صرف تین مرتبہ گھر سے باہر قدم نکالا۔

یہ عارفۂ باکمال ۵۷۳ھ ہجری میں اس عالمِ فانی سے رخصت ہوئیں۔

(خزینۃ الاصفیا)

بنت الکنیزیؒ

ان کا شمار چھٹی صدی ہجری کی نامور عالمات میں ہوتا ہے۔ مدینۃ الاسلام بغداد کے مشرقی حصے میں رہتی تھیں۔ یوں تو وہ سارے علوم مروجہ میں دسترس رکھتی تھیں لیکن علمِ نحو اور علم لغت میں ان کو درجۂ کمال حاصل تھا۔ ان دونوں علوم میں انہوں نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کی تھیں جن کی بناء پر بہت مشہور ہو گئی تھیں۔ (معجم اہل الادب۔ یاقوت حموی)

بی بی زینبؒ بنتِ عبدالرحمٰن

ان کی کنیت ام المؤید تھی۔ انہیں حرّہ بھی کہا جاتا ہے۔ والد کا نام ابوالقاسم عبدالرحمٰن (ابن حسن بن احمد بن سہل بن احمد بن عبدوس مرجانی تھا) ۵۲۴ھ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ بن شعور کو پہنچ کر ہمہ تن تحصیل علم میں مشغول ہو گئیں اور اپنے عہد کے نامی گرامی فقہاء سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ علم و فضل کے اعتبار سے وہ اپنے دور کے چوٹی کے علماء کی ہم پلہ تھیں۔ بالخصوص علمِ فقہ میں خاص امتیاز رکھتی تھیں۔ ان کے تبحرِ علمی اور فضل و کمال کے وہ علماء و فقہاء بھی معترف تھے جن کو اپنے وقت کا امام کہا جاتا تھا۔

ابنِ خلکان کا بیان ہے کہ بی بی زینبؒ نے کسی شخص کی استدعا پر اجازہ بھی لکھا تھا۔ عباسی خلفاء نے ان کو اجازت دے رکھی تھی کہ نہ صرف بغداد بلکہ عباسی سلطنت میں کسی بھی جگہ اپنی درسگاہ قائم کریں اور وہاں فقہ کا درس دیا کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے فیضانِ علمی سے بے شمار لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔

بی بی زینبؒ نے ۶۱۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ (ابنِ خلکان)

عصمۃ خاتون

الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف ایوبیؒ[1] کی بیگم تھی۔ بعض نے اس کا نام عصمیہ خاتون لکھا ہے۔ نہایت نیک فطرت، دانشمند، علم دوست اور مخیر خاتون تھی۔ اپنے اولوالعزم اور صاحبِ خیر شوہر کی طرح رفاہِ عامّہ کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتی تھی۔

عہدِ صلاح الدین کا نامور مؤرخ اور ادیب عماد کاتب (عماد الدین محمد بن محمد الکاتب اصفہانی المتوفی ۵۹۰ھ ہجری) عصمۃ خاتون کے ذکر میں

---

[1] سلطان صلاح الدین یوسف ایوبیؒ ہماری تاریخ کا وہ بطلِ جلیل ہے جس پر ہم جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ وہ ۵۳۲ھ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ نجم الدین ایوب اور چچا اسد الدین شیرکوہ سلطان نورالدین محمود زنگیؒ کے سرکردہ امراء میں سے تھے۔ اپنے اوصاف و خصائل کی بناء پر صلاح الدین نے بھی سلطان نورالدینؒ کا تقرب حاصل کر لیا۔ ۵۵۹ھ میں سلطان نورالدین نے شیرکوہ اور صلاح الدین کو مصر بھیجا جہاں فاطمی خلیفہ العاضد کے وزیروں کے درمیان خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ ان دونوں نے اس خانہ جنگی کا خاتمہ کیا اور العاضد نے شیرکوہ کو اپنا وزیر مقرر کیا مگر وہ جلد ہی فوت ہو گیا اور ۵۶۴ھ میں اس کی جگہ صلاح الدین وزیر بنا۔ محرم ۵۶۷ھ میں العاضد کی وفات کے بعد صلاح الدین نے سلطان نورالدین کی طرف سے مصر پر قبضہ کر لیا۔ ۵۶۹ھ ہجری میں سلطان نورالدین فوت ہوا تو اس کا گیارہ سالہ فرزند صالح اسمٰعیل مسندِ حکومت پر بیٹھا مگر اس کے عمائدِ سلطنت نے آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ صلاح الدین کو یہ خبریں ملیں تو اس نے ان جھگڑوں کو نمٹانے کی کوشش کی لیکن اس کی نصیحتوں کا ان پر کوئی اثر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لکھتا ہے : ــــــــ

" وہ فیاضی میں نہایت دلیر تھی۔ فقراء کے مواجب مقرر کر رکھے تھے۔ فقیہوں اور زاہدوں کے لیے مہمان سرائیں اور مدرسے جاری کیے۔ معلّمین کی تنخواہیں مقرر کیں۔ طلباء کو کھانا اور لباس اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نہ ہوا الٹا انہوں نے ملک صالح کو بھی صلاح الدین کے خلاف کر دیا۔ آخر وہ ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گیا اور اس طرح لڑا کہ کوئی مخالف مقابلے پر نہ ٹھہر سکا۔ چنانچہ مصر کے ساتھ شام کی حکومت بھی اس کے قبضے میں آ گئی۔ عباسی خلیفہ نے اسے سلطان کا خطاب دیا اور خلعت کے ساتھ حکومت کی سند بھی بھیجی۔ سلطان صلاح الدین نے ملک صالح کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کیا اور حلب اور اس کے آس پاس کا علاقہ اسے دے دیا۔ ملک صالح نے ۵۷۷ھ ہجری میں وفات پائی تو ترک امیروں کی باہمی دشمنیوں نے پھر سر ابھارا۔ اس کا فائدہ اٹھا کر صلیبیوں نے مسلمانوں کی سرحدوں پر دھاوا بول دیا۔ سلطان صلاح الدینؒ نے طبریہ کی جھیل کے کنارے انہیں عبرتناک شکست دی۔ اس کے بعد اس نے رملہ، قیساریہ، یافہ، بیروت، نابلس، عسقلان وغیرہ کو فتح کیا اور پھر ۵۸۳ھ ہجری میں یروشلم (بیت المقدس) کی طرف بڑھا جس پر پچھلے نوّے سال سے صلیبی قابض چلے آ رہے تھے۔ کچھ عرصہ تو صلیبیوں نے اس کا مقابلہ کیا لیکن پھر مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان شہر میں داخل ہوا تو اس نے شہر کے سب باشندوں کو امان دے دی حالانکہ صلیبیوں نے یروشلم پر قبضہ کرتے وقت نہایت بے دردی سے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا تھا۔

یروشلم کی فتح کی خبر یورپ پہنچی تو ہر طرف آگ سی لگ گئی۔ جرمنی، فرانس اور انگلستان وغیرہ کے فرمانروا اپنی اپنی فوجیں لے کر ارضِ فلسطین پر چڑھ دوڑے لیکن مجاہدِ اعظم صلاح الدینؒ نے انہیں تباہ کن شکست دی اور وہ خائب و خاسر واپس گئے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے ہاں سے ملتا تھا۔ دمشق میں حمام سرکسی کے پاس محلہ حجر الذہب میں مشہور درس گاہ اور بڑی سرائے باب النصر کے باہر مہمان خانہ اسی نیک خاتون کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے وقف کیے ہوئے مکانات اور انعامات سے مدت دراز تک لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔"

اس نیک بی بی نے اپنے صرف سے کئی مسجدیں بھی تعمیر کرائیں جو آج تک اس کا نام زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ (حیاتِ صلاح الدین)

زمرّد خاتون

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی بہن تھی۔ عام طور پر ست الشام (شام کی ملکہ) کے لقب سے مشہور ہے۔ نہایت نیک، علم دوست اور فیاض خاتون تھی۔ اس نے دمشق میں ایک عظیم الشان دارالعلوم بنوایا اور اس دور کے ایک نامور فقیہ شیخ عثمان بن عبدالرحمٰن بن الصلاح شہرزوری کو بلا کر اس کا پرنسپل (صدرِ اساتذہ) مقرر کیا ۔ یہ دارالعلوم شہر کی تمام درس گاہوں میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ (دائرۃ المعارف)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ۔ اسلام کے اس بطلِ جلیل نے ۲۷ صفر ۵۸۹ھ ہجری کو وفات پائی۔ وہ بڑا دیندار، عادل، فیاض، خداترس اور معارف پرور حکمران تھا۔ اس کے عدل و انصاف نیکی اور سخاوت کے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ خود یورپ کے لوگ بھی اس کی عظمتِ کردار کا اعتراف کرتے ہیں اور اسے "صلاح الدین اعظم" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ (حیاتِ صلاح الدین۔ تاریخ اسلام۔ وغیرہ)

بی بی مَن میلؒ

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ کے خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) کی دایہ تھیں اور انہوں نے خواجہ بختیار کاکیؒ کو ان کے زمانۂ طفولیت میں اپنا دودھ پلایا تھا۔ اس نسبت سے وہ خواجہ صاحبؒ کی رضاعی ماں تھیں۔ ان کا تعلق ماوراءالنہر (وسطِ ایشیا) کے ایک شہر اوش کے ایک شریف خاندان سے تھا۔ خواجہ بختیار کاکیؒ اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے۔ بی بی من میل کا مکان خواجہ صاحبؒ کے والدین کے پڑوس میں تھا۔ وہ بڑی نیک سیرت اور خداترس خاتون تھیں۔ اپنا بیشتر وقت عبادت و ریاضت میں گزارتی تھیں۔ اصل نام کچھ اور ہوگا مگر ہندوستان میں وہ مَن میل (دلوں کو جوڑنے والی) کے لقب یا نام سے مشہور ہوئیں۔

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ عنفوانِ شباب میں حضرت خواجہ اجمیریؒ کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہو گئے اور اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، پھر طویل عرصہ ریاضت و مجاہدہ اور سیاحت میں گزارا۔ اس اثناء میں خواجہ اجمیریؒ ہندوستان تشریف لا چکے تھے۔ خواجہ بختیار کاکیؒ بھی مرشدِ گرامی کی خدمت میں ہندوستان پہنچ گئے۔ حضرت خواجۂ خواجگانؒ نے تو اجمیر میں مستقل اقامت اختیار کی اور حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کو اپنا خلیفۂ اعظم بنا کر دہلی بھیج دیا۔ وہ دہلی اور اس کے نواحی علاقے میں تبلیغ اسلام اور سلسلۂ چشتیہ کے فروغ کے ذمہ دار تھے۔ بی بی من میل اس وقت حیات تھیں۔ خواجہ بختیار کاکیؒ ان کے مرتبہ شناس تھے۔ انہوں نے ان کو اوش سے دہلی بُلا لیا اور خرقۂ خلافت دے کر دہلی کی مستورات کی ہدایت کے لیے مامور فرمایا۔ انہوں نے اپنے فرائض بڑی تندہی سے انجام دیئے اور ہزارہا خواتین ان سے کسبِ فیض کر کے صاحبِ کمال ہو گئیں۔ حضرت بختیار کاکیؒ ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور اپنے گھر کا سارا انتظام ان کے سپرد کر رکھا تھا۔ بی بی من میلؒ

پردہ کی سخت پابند تھیں۔ وہ نہ کبھی گھر سے باہر نکلتی تھیں اور نہ کبھی گھر کے مردانہ حصے میں قدم رکھتی تھیں۔

بی بی من میں ؒ نے غالباً ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں وفات پائی۔ ان کا مزار دہلی میں خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار سے متصل مسجد کہنہ کے مقابل واقع ہے۔

(تذکرہ اولیائے ہند)

حفصۃ الرکینہ

اندلس یا ہسپانیہ (سپین و پرتگال) کو مسلمانوں نے پہلے پہل ۹۲ھ میں فتح کیا تھا۔ ۹۲ھ سے ۱۳۸ھ تک اس پر ۱۹ گورنروں نے حکومت کی۔ بنوامیہ کے زوال کے بعد جب بنو عباس برسر اقتدار آئے تو انہوں نے اُموی خاندان کے سربرآوردہ لوگوں کو چن چن کر مار ڈالا البتہ ایک اُموی شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ کسی طرح جان بچا کر مصر ہوتا ہوا شمالی افریقہ جا پہنچا اور بنوامیہ کے ہوا خواہوں کی مدد سے ۱۳۸ھ میں اندلس کا فرمانروا بن گیا۔ اموی خاندان نے اندلس پر ۴۲۲ھ تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔ اس کے بعد ان کی ہوا اکھڑ گئی اور ملک طوائف الملوکی کا شکار ہو گیا۔ اس صورت حال کو شمالی افریقہ کے عظیم مرابطی فرمانروا یوسف بن تاشفین نے ۴۷۹ھ میں ختم کیا اور اندلس کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ مرابطین کے زوال کے بعد ۵۴۸ھ میں اندلس پر مُوحّدین کا قبضہ ہو گیا۔ پہلے مُوحّد فرمانروا عبدالمؤمن کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو یعقوب یوسف ۵۵۸ھ میں مراکش میں تختِ نشین ہوا۔ ۵۶۷ھ میں وہ اندلس کے مغربی اضلاع کو عیسائی باغیوں کے قبضے سے چھڑانے کے لیے اندلس آیا اور باغیوں کو پے بہ پے شکستیں دے کر تمام ملک پر اسلامی اقتدار بحال کر دیا۔ ۵۸۰ھ میں وہ باغیوں کی سرکوبی

(۹۲ھ: ۷۱۱ء؛ ۱۳۸ھ: ۷۵۶ء؛ ۴۲۲ھ: ۱۰۳۱ء؛ ۴۷۹ھ: ۱۰۸۶ء؛ ۵۴۸ھ: ۱۱۵۴ء؛ ۵۵۸ھ: ۱۱۶۳ء؛ ۵۶۷ھ: ۱۱۷۲ء؛ ۵۸۰ھ: ۱۱۸۴ء)

کے لیے دوبارہ اندلس آیا اور عیسائیوں کے ایک اہم قلعے شنتترین کا محاصرہ کرلیا۔ اثنائے محاصرہ میں وہ شدید زخمی ہوکر فوت ہوگیا۔ اس کی لاش مراکش لے جاکر دفن کی گئی اور اس کی جگہ ابویوسف یعقوب المنصور تخت نشین ہوا۔ ادھر اندلس میں ابویعقوب یوسف کی شہادت کے بعد عیسائیوں نے بڑی طاقت پکڑ لی اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ وہ مسلمانوں کی بستیوں پر آئے دن ڈاکے ڈالتے تھے اور مسلمان آبادی کو بے دریغ قتل کر ڈالتے تھے۔ اسی زمانے میں اشبیلیہ کی ایک مسلم خاتون نے مسلمانوں کی غیرت اور حمیت کو جھنجوڑا اور ان کو تلقین کی کہ متحد ہوکر عیسائی غارت گروں کے مقابلے پر ڈٹ جاؤ۔ یہ خاتون حفصتہ المرکینہ تھیں۔ وہ بڑی عالمہ فاضلہ دیندار فیاض اور بہادر بی بی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جوہر خطابت سے بھی حصۂ وافر عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے اپنے پرجوش خطبوں سے اندلسی مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا کردی اور صلیبی جنونیوں کے ہاتھوں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہونے کے بجائے ان کے دلوں میں شوق جہاد و شہادت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اب وہ ہر مقام پر عیسائیوں کا زبردست مقابلہ کرنے لگے لیکن ان کی کثیر تعداد اور بے پناہ سازوسامان کی وجہ سے مسلمانوں پر شدید دباؤ پڑ رہا تھا۔ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حفصتہ المرکینہ نے سلطان یعقوب المنصور کو ایک خط لکھا جس میں اندلسی مسلمانوں پر عیسائیوں کے مظالم کے واقعات تفصیل سے بیان کیے اور سلطان سے اندلس پہنچنے کی درخواست کی۔ یہ خط ملتے ہی سلطان یعقوب المنصور ۵۸۶ھ (۱۱۹۰ء) میں ایک جرار لشکر کے ساتھ مراکش سے اندلس پہنچ گیا اور غارت گر عیسائی حکمرانوں اور صلیبی جنونیوں کو تابڑ توڑ شکستیں دے کر ان کا کچومر نکال دیا۔ پھر مسلمانوں کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام کرکے مراکش کو مراجعت کی۔ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) سے ۵۸۶ھ (۱۱۹۰ء) تک کے پرآشوب دور میں بی بی حفصتہ المرکینہ نے جس ہمت اور پامردی سے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد بیدار کیا اس نے ان کا نام زندۂ جاوید کردیا ہے۔ (اخبار الاندلس۔ خلاصۃ ہومتدین۔ شرف النساء)

بی بی صفیہ بنتِ عبدالملک

اَندلس (SPAIN) کے نامور طبیب ابو مروان عبدالملک بن ابی العلاء زُہر[1] کی صاحبزادی تھی۔ وہ علمِ طب (بالخصوص امراضِ نسواں) میں بڑی ماہر تھی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس نے قابلہ گری یعنی وضعِ حمل کرانے (OBSTETRICS) کی خصوصی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا بھائی ابوبکر محمد بن عبدالملک (جو الحفید کے لقب سے مشہور ہے) دولتِ موحّدین کے تیسرے فرمانروا لیعقوب المنصور باللہ (۵۸۰ھ تا ۵۹۵ھ)[2] کا طبیبِ خاص تھا۔ صفیہ اکثر اپنے

---

[1] ابو مروان عبدالملک کے خاندان کا مورثِ اعلیٰ زُہر نامی ایک شخص تھا۔ اسی زُہر کی نسل سے یکے بعد دیگرے کئی ایسے نامور علماء اطباء پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے علم و فضل اور مہارتِ فن سے دنیا میں غلغلہ ڈال دیا۔ ابو مروان عبدالملک کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابو مروان عبدالملک بن ابی العلاء زُہر بن ابو مروان عبدالملک بن ابوبکر محمد بن مروان بن زُہر یہ سب اپنے دَور کے نامور اطباء تھے اور علم و فضل سے بھی بہرہ ور تھے۔ مؤرخین جب کسی تخصیص کے بغیر "ابنِ زُہر" کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی مراد ابو مروان عبدالملک بن ابی العلاء زُہر سے ہوتی ہے متشرقین نے اُن کو ABHOMERON AVENZOAR یا محض AVENZOAR کا نام دیا ہے۔ وہ ۴۸۴ھ اور ۴۸۷ھ کے درمیان کسی وقت پیدا ہوئے اور ۵۵۷ھ میں وفات پائی اپنے دَور کے سرآمدِ روزگار طبیب تھے۔ مرابطین کے دورِ حکومت میں اندلس سے مراکش چلے گئے۔ پہلے موحّد فرمانروا عبدالمؤمن نے انہیں اپنا طبیبِ خاص اور وزیر مقرر کر دیا تھا۔ وہ پہلے عرب طبیب ہیں جنہوں نے سانس کی نالی پر عملِ جراحی (TRACHEOTOMY) کیا اور حلقوم اور حقنہ کے ذریعے پیٹ کے اندر مصنوعی طریقے سے غذا پہنچانے کا تجربہ کیا۔ ("نگار" علماءِ اسلام نمبر سلسلہ اور سائنس کی تحقیق)

[2] لیعقوب المنصور باللہ کا عہدِ حکومت دولتِ مُوحّدین کے انتہائی عروج (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بھائی کے ساتھ رہتی تھی۔ خلیفہ یعقوب المنصور باللہ کے حرم میں کوئی خاتون بیمار ہو جاتی یا زچگی میں ہوتی تو بی بی صفیہ ہی کو علاج معالجہ کے لیے بلایا جاتا کیونکہ خلیفہ اپنے گھر میں کسی اور کا معالجہ پسند نہ کرتا تھا۔

ابن ابی اصیبعہ[1] نے "طبقات الاطباء" میں لکھا ہے کہ:

"صفیہ، الحفید کی ہمشیرہ، صناعت طب اور معالجات نسواں میں بڑی مہارت رکھتی تھی اور خلیفہ کے گھر کی عورتوں کا علاج کیا کرتی تھی۔"

(یعقوب المنصور باللہ، مسلمان اور سائنس کی تحقیق)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کا زمانہ ہے اس کی شوکت وسطوت، معارف پروری اور جہاد کے معرکوں میں اس کی کامیابیوں کے حالات تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو مبہوت کر دیتے ہیں۔ اگر ایک طرف افریقہ میں اس کے اقتدار کا پھریرا، مراکش، تیونس، الجزائر اور لیبیا وغیرہ پر لہرا رہا تھا تو دوسری طرف اس کا پرچم اقبال اسپین اور پرتگال پر لہرا رہا تھا۔ اس نے ۵۹۱ھ میں مراکش سے اندلس جاکر معرکۂ اَلاُرَک میں الفانسو ہشتم کو ایسی عبرت ناک شکست دی کہ اس نے اپنی ماں اور گھر کی بیٹیوں کو خلیفہ کے پاس بھیج کر اس کا جذبۂ رحم بیدار کیا اور اپنی جان بخشی کرائی۔ معرکۂ اَلاُرَک کا شمار دنیا کی مشہور لڑائیوں میں ہوتا ہے۔

[1] ابن ابی اُصَیبعہ موفق الدین ابو العباس احمد بن القاسم السعدی الخزرجی دمشق میں ۶۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۶۸ھ میں وفات پائی۔ مشہور طبیب اور سوانح نگار تھے۔ علم طب میں وہ ابن البیطار کے شاگرد تھے۔ نامور اطبا کے حالات میں ان کی کتاب "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" بہت مشہور ہے۔

(یعقوب المنصور باللہ)

بنتِ زُہر

بعض روایات کے مطابق یہ ابوبکر محمدؒ (الحفید)[1] بن عبدالملک (ابنِ زُہر) کی بیٹی تھی اور بعض کے مطابق خواہرزادی (بھانجی)۔ وہ بھی امراضِ نسواں کے علاج میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔ قابلہ گری کی تعلیم اس نے بطورِ خاص حاصل کی تھی۔ وہ بھی بی بی صفیہ (والدہ یا پھوپھی) کے ساتھ محلاتِ شاہی میں خواتین کے علاج کے لیے جایا کرتی تھی۔ ابنِ ابی اصیبعہ نے "عیون الانباء فی طبقات الاطبا" میں ایک

---

[1] ابوبکر محمد (الحفید) اس خاتون کے والد تھے یا ماموں؛ بہر صورت وہ ابن زُہر" ہی کے خاندان کی ایک فرد تھیں۔ الحفید (سالِ ولادت ۵۰۴ھ) پر خلیفہ یعقوب المنصور باللہ بہت مہربان تھا۔ وہ ان کے تبحرِ علمی اور کمالِ فن کا معترف تھا اور اس نے انہیں اندلس سے مراکش بلاکر اپنا طبیبِ خاص مقرر کیا تھا۔ وہ اُن کو اکثر انعام واکرام سے نوازتا رہتا تھا۔ بدقسمتی سے خلیفہ کے وزیر ابوزید عبدالرحمٰن بن موسیٰ بن یوجان نہتانی کو "الحفید" سے یہ دیکھ کر حسد پیدا ہو گیا کہ خلیفہ ان کا حد سے زیادہ اعزاز و اکرام کرتا ہے اور ان کے خاندان کی خواتین کی محلاتِ شاہی میں آمدورفت کی وجہ سے ان کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا ہے۔ چنانچہ اس نے ابوبکر محمد (الحفید) اور ان کی بیٹی (یا بھانجی) کو زہر دلوا دیا جس کے اثر سے دونوں فوت ہو گئے۔ مؤرخین نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ سانحہ کس سال پیش آیا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جگہ لکھا ہے:

"صفیہ، ابوبکر کی بہن اور بھانجی دونوں طب میں ماہر تھیں اور معالجۂ نسوانی سے متعلق علوم پر ان کو وقوف حاصل تھا۔ یہ دونوں منصور کے حرم میں علاج کے لیے جایا کرتی تھیں۔" (مشاہیر نسواں)

بی بی زینب رح بنت عمرو

عمرو بن کندی کی بیٹی تھیں۔ چھٹی صدی ہجری میں ان کے علم و فضل اور جود و سخا کی تمام دنیائے اسلام میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ اللہ نے انہیں علم کے ساتھ مال بھی دیا تھا۔ وہ اس مال کو بے دریغ راہِ خدا میں صرف کرتی رہتی تھیں۔ انہوں نے بہت سے غریب خانے بنوائے اور انہیں راہِ خدا میں وقف کر دیا۔ (مشاہیر النساء)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

خلیفہ یعقوب المنصور باللہ کو ان کی وفات کا سخت صدمہ ہوا۔ اس نے الحفید کی نمازِ جنازہ خود پڑھائی اور انہیں ایک شاندار باغ میں دفن کیا۔ ابوبکر محمد (الحفید) نے کئی تصنیفات بھی اپنی یادگار چھوڑیں۔ ان میں سے "طب العیون" اور "ذکر الترياق الخمسین" نے بڑی شہرت پائی۔

(یعقوب المنصور باللہ، مسلمان اور سائنس کی تحقیق)

بی بی حفصہ اَندلسیہ

شہر رکونہ (اسپین) کی رہنے والی تھی۔ حسن وجمال، حسب و نسب، دانش وحکمت اور علم وفضل میں شہرۂ آفاق تھی۔ ایک دفعہ وہ عسرت میں مبتلا ہوگئی تو دولتِ موحدین کے نامور فرمانروا عبدالمومن (۵۲۴ھ ہجری تا ۵۵۸ھ ہجری) کے دربار میں گئی[1]، اور اس کے

---

[1] عبدالمؤمن بن علی کا شمار تاریخ عالم کے ان فرمانرواؤں میں ہوتا ہے جو معمولی حیثیت سے اٹھ کر تختِ شاہی پر متمکن ہوئے اور اپنی فاتحانہ یلغار سے بحر و بر کو ہلا ڈالا۔ وہ دولتِ موحدین کا پہلا فرمانروا تھا، اور ابنِ تومرت المہدی المغربی (ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن تومرت) بانی دولتِ موحدین کا شاگرد اور خلیفہ تھا۔ ابنِ تومرت ایک درویش منش آدمی تھا، اس نے اپنی تبلیغی مساعی سے اپنے مریدوں کی بہت بڑی جمعیت تیار کرلی اور پھر اپنی عسکری سرگرمیوں کے ذریعے دولتِ مرابطین، کی بنیادیں ہلا دیں۔ ۵۲۴ھ ہجری میں وہ فوت ہوا تو مراکش کے ایک وسیع علاقے پر موحدین (ابنِ تومرت کے مریدین) کا استیلا تھا۔ (بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابنِ تومرت نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اس نے ایسا دعویٰ کیا یا نہیں، اس سے قطع نظر اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ایک انتہائی پرہیزگار پابندِ شریعت اور عابد و زاہد آدمی تھا) اس کے بعد اس کا مریدِ خاص عبدالمؤمن مسندِ حکومت پر بیٹھا اور دو سال کی مدت میں فاس، اوران سبتہ، تلمسان، اغمات وغیرہ فتح کر لیے پھر ۵۴۱ھ ہجری میں خاص دارالحکومت مراکش پر قبضہ کرکے آخری مرابطی فرمانروا اسحاق بن علی بن یوسف کا چراغِ حیات گل کردیا۔ اب وہ بلاشرکتِ غیرے مراکش کا فرمانروا بن گیا۔ ۵۴۸ھ ہجری میں اس نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سامنے فی البدیہہ یہ شعر پڑھے:

یا سید الناس یا من	یومل الناس رفدہ
امنن علی بطرس	یکون للدھر عدہ
تخط یمناک فیہ	الحمدللہ وحدہ

یعنی اے لوگوں کے سردار تیری عنایت لوگوں کو امیدوار کرتی ہے مجھے ایک فرمان عطا کر تاکہ زمانے کی ضرورتوں میں کام آئے اور دائیں ہاتھ سے اس میں لکھ ——— الحمدللہ وحدہ،

یہ اشعار سن کر سلطان عبدالمؤمن پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور اس نے فوراً بی بی حفصہ کی حاجت پوری کر دی۔

(دائرۃ المعارف)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

اُندلس پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس سے پہلے ۵۴۷ھ ہجری میں اس نے الجزائر اور سسلی (صقلیہ) کو بھی فتح کرلیا تھا۔ ۵۵۳-۵۴ھ ہجری میں اس نے تیونس سے نارمن غاصبوں کو نکال باہر کیا۔ اس کے بعد طرابلس الغرب کو مسخر کرلیا یہاں تک کہ مصر سے لے کر تمام سواحل آتلانتک اور اُندلس پر اس کا پرچم اقتدار لہرانے لگا۔ عبدالمؤمن نے ۵۵۸ھ میں وفات پائی۔

وہ ایک نہایت عالم و فاضل شخص تھا اور اہلِ علم و ہنر کی قدر افزائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا۔ شجاعت، تدبّر، ذہانت اور معاملہ فہمی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے عہدِ حکومت میں علم و ہنر کو بڑی ترقی ہوئی۔ سیّد امیر علی کا بیان ہے کہ اس نے مراکش میں متعدد مدرسے اور دارالعلوم قائم کیے۔

بی بی اُمّ الہناءؒ

چھٹی صدی ہجری کے اندلس میں نہایت باکمال خاتون گزری ہیں۔ قرطبہ میں پیدا ہوئیں اور وہیں پرورش پائی۔ قاضی ابو محمدؒ عبدالحق بن عطیہ کی بیٹی تھیں وہ اپنے دور کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ بیٹی کی تعلیم و تربیت خاص توجہ سے کی اور تمام علوم خصوصاً فقہ میں ان کو طاق کر دیا۔

اُمّ الہناء ایک بلند پایہ شاعرہ بھی تھیں اور کچھ کتابیں بھی انہوں نے تالیف کی تھیں۔ جب ان کے والد قاضی ابو محمد عبدالحق کو حکومت کی طرف شہر مریہ کا حاکم مقرر کیا گیا اور وہ قرطبہ سے چلنے لگے تو ام الہناء شفیق والد کی جدائی کے خیال سے سخت ملول و محزون ہوئیں، اور آبدیدہ ہو کر یہ شعر پڑھا:-

یا عین صار الدمع عندكِ عادةً

بتكين في فرح و في احـزان

(اے میری آنکھ رونا تو تیری عادت بن گئی ہے۔ تو تو روتی ہی رہتی ہے خوشی کی حالت ہو یا غم کی۔)

اُمّ الہناء نے چھٹی صدی ہجری کے آخیر میں وفات پائی اور قرطبہ کے نواح میں دفن ہوئیں۔ (نفح الطیب۔ امیر علی)

بی بی ستّ العلماء شامیہ

چھٹی صدی ہجری کے آخر میں مشہور واعظہ گزری ہیں۔ شام کی رہنے والی تھیں۔ جملہ علوم دینی پر گہرا عبور رکھتی تھیں۔ نہایت خوش الحان اور شیریں بیان تھیں اس لیے وعظ سننے والے ان کو بلبل کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ (مشاہیر نسواں)

فخر النساء شہدہؒ محدثہ و کاتبہ

چھٹی صدی ہجری میں شہرۂ آفاق محدثہ و کاتبہ ہوئی ہیں۔
والد کا نام ابو نصر احمد بن عمر الابری تھا۔ وہ اپنے دَور کے ایک ممتاز عالم دین تھے۔

شہدہؒ ۴۸۴ھ ہجری میں ایران کے شہر دینور میں پیدا ہوئیں ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ فنِ خوشنویسی (کتابت) بھی انہی سے سیکھا اور اس میں ایسی مہارت حاصل کی کہ اُس دَور کے بڑے بڑے خوشنویس ان کے کمالِ فن کا اعتراف کرتے تھے۔ والد نے حدیث اور دوسرے علوم کی اعلیٰ تعلیم انہیں اس دَور کے کئی نامور علماء ابو عبداللہ حسن بن احمد نعمانی، ابوبکر محمدؒ بن احمد الشاشی، احمد بن عبدالقادر بن یوسف اور ابوالحسینی وغیرہ سے دلوائی۔

اس طرح جملہ عُلوم میں انہیں درجۂ تبحر حاصل ہو گیا۔ ان کے والد خود ہی یا عباسی خلیفہ کے بُلانے پر دینور سے نقلِ سکونت کر کے بغداد آ گئے تھے اس لیے شہدہ نے عمر کا زیادہ حصہ بغداد ہی میں گزارا۔ والد نے ان کی شادی اپنے ایک سعادت مند شاگرد علی بن محمدؒ سے کر دی۔ وہ اگرچہ غریب تھے لیکن بہت نیک اور لائق تھے اسی لیے میاں بیوی کی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار تھی۔ شہدہؒ کو علم حدیث میں اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ تشنگانِ علم دُور دُور سے جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان کے خوانِ علم سے ریزہ چینی کرنا اپنے لیے سعادت اور فخر کا باعث سمجھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے درس میں بڑے بڑے شیوخ و ائمہ حاضر ہوتے تھے اور ان سے سندِ عالی حاصل کرتے تھے۔ شہدہؒ حدیث کے علاوہ تاریخ اور زبان و ادب

پر بھی ایسی عمدہ تقریریں کرتی تھیں کہ سننے والوں کے دلوں پر نقش ہو جاتی تھیں۔ اپنے علم و فضل، خوشنویسی اور خطیبانہ صلاحیتوں کی بناء پر وہ لوگوں میں "فخر النساء" کے معزز لقب سے مشہور ہو گئی تھیں۔ شادی کے پینتالیس برس بعد ان کے شوہر نے وفات پائی۔ انہوں نے یہ صدمہ بڑے صبر اور حوصلے سے برداشت کیا اور اپنے آپ کو ہمہ تن درس و تدریس کے لیے وقف کر دیا۔ خلیفہ مستضی بامر اللہ عباسی (۵۶۶ھ ہجری تا ۵۷۵ھ ہجری) نے ان کے فضل و کمال کی شہرت سنی تو ان کو ایک بہت بڑی جاگیر عطا کی تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اشاعت تعلیم میں مشغول رہ سکیں۔ شہدہؒ نے اس کی آمدنی سے دریائے دجلہ کے کنارے ایک عظیم الشان درس گاہ بنوائی جس میں سینکڑوں طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان کے تمام اخراجات شہدہ خود برداشت کرتی تھیں۔ شہدہ آخری دم تک درس و تدریس میں مشغول رہیں اور ۵۷۴ھ ہجری میں نوّے سال سے زیادہ عمر پا کر بغداد میں اس عالم ناپائدار سے رحلت کی۔ نماز جنازہ "جامع القصر" بغداد میں ادا کی گئی۔ جنازہ میں لوگوں کے علاوہ بڑے بڑے علماء اور عمائد سلطنت بھی جنازے میں شریک ہوئے ۔۔۔ محدث ابن جوزیؒ کہتے ہیں "شہدہؒ بڑی صالح اور عبادت گزار خاتون تھیں۔" (ابن خلکان۔ سید امیر علی وغیرہ)

بی بی سفریؒ

چھٹی صدی ہجری میں نادرۂ روزگار محدثہ ہوئی ہیں۔ قاضی یعقوب بن سلیمانؒ کی صاحبزادی تھیں۔ اپنے دادا اور اپنے بھائی سے علم حدیث حاصل کیا اور پھر طویل مدت تک لوگوں کو حدیث کا درس دیتی رہیں۔ (مشاہیر نسواں)

ملکہ ترکان خاتون

قدر خان والیٔ قفچاق کی بیٹی تھی اور سلطان توکوش (تکیش) والیٔ خیوا کی بیوی تھی۔ بڑی روشن دماغ، مدبر اور قوی دل خاتون تھی۔ اپنے خاندان کے کسی فرد کی بے راہروی برداشت نہ کرتی تھی یہاں تک کہ اپنے شوہر کی بدعنوانی بھی اس کو گوارا نہ تھی۔ ایک دفعہ اسے معلوم ہوا کہ سلطان نے کسی لونڈی سے تعلق پیدا کر لیا ہے۔ اس پر وہ سخت غضبناک ہوئی اور اپنے خاص ملازموں کے ذریعے سلطان کو ایک گرم حمام میں بند کرا دیا۔ وہاں اس قدر حرارت تھی کہ سلطان کی جان پہ آ بنی۔ دربار کے کچھ بڑے بڑے امیروں کو اس صورت حال کا علم ہوا تو انہوں نے حمام کا دروازہ توڑ کر سلطان کو باہر نکالا۔ اس وقت اس کا سارا جسم بلبلا ہو گیا تھا اور ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ سلطان نے ۵۹۶ھ ہجری میں وفات پائی تو اس کا فرزند علاؤالدین محمدؒ خوارزم شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے اکیس سالہ دورِ حکومت میں ترکان خاتون کو بڑا اقتدار حاصل رہا۔ کیونکہ محمدؒ خوارزم شاہ ماں کا بے حد فرمانبردار تھا۔ اسی زمانے میں اس کو "خداوندِ جہاں" کا خطاب دیا گیا۔ وہ سیاسی امور میں کمال درجے کی مہارت اور سوجھ بوجھ رکھتی تھی۔ ۶۱۷ھ ہجری میں علاؤالدین محمدؒ کی وفات کے بعد جلال الدین اور نو تخت نشین ہوا۔ اس کی بے تدبیری کی وجہ سے تاتاری تمام قلمرو پر چھا گئے اور ۶۱۸ھ ہجری میں تولی بن چنگیز خان کے اشارے سے ملکہ ترکان خاتون کو قتل کر دیا گیا۔

(میجر راورٹی بر طبقاتِ ناصری)

بی بی جوہرہؒ

ہبتہ اللہ حسن بن علی بن حسن بن الدوامی کی صاحبزادی تھیں چھٹی صدی ہجری میں بغداد کی مشہور واعظہ ہوئی ہیں۔ انہوں نے شیخ ابو النجیبؒ اور شیخ ابو الوقت جیسے متبحر علماء سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کی شادی شیخ عبد الرحیم بن شیخ عبد النجیبؒ سے ہوئی۔ اولاد میں صرف ایک لڑکی کا پتہ چلتا ہے۔

بی بی جوہرہؒ بڑی عالمہ اور فاضلہ خاتون تھیں۔ وہ اکثر بغداد کی خواتین کو جمع کرتیں اور ان کے سامنے نہایت فصیح و بلیغ وعظ کہتیں۔

۵۴۰ھ ہجری میں ایک دن انہوں نے نماز کا ارادہ کیا تھا اور وضو کرنے کو تھیں کہ پیغامِ اجل آ پہنچا اور وہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئیں۔ (تذکرۃ الخواتین)

بلادہ اُمِّ عبّاس

مصر کے فاطمی حکمرانوں کے دور میں عباس بن ابو الفتوح صنہاجی ایک مشہور وزیر گزرا ہے۔ بلادہ اسی عباس کی والدہ تھی۔

بڑی دانشمند اور مخیر خاتون تھی۔ اس نے ۵۴۷ھ میں ایک عظیم الشان مسجد شہر قاہرہ میں بنوائی جو اس کے نام سے "مسجد اُمِّ عباس" مشہور ہوئی۔ مؤرخ ابو الفداء کا بیان ہے کہ بلادہ کے شوہر ابو الفتوح نے وفات پائی تو ایک امیر عادل بن سالار نے اس سے شادی کر لی اور وزیر بن گیا لیکن ابو الفتوح کے بیٹے عباس نے اس سے یہ عہدہ چھین لیا اور بلادہ جو پہلے وزیر بیگم تھی "اُمِّ الوزیر" کے لقب سے مشہور ہوئی۔ (مشاہیر نسواں)

بی بی تقیہؒ شامیہ

ان کی کنیت اُمّ علی تھی۔ چھٹی صدی ہجری میں شام کی نامی گرامی شاعرہ اور عالمہ ہوئی ہیں۔ شہر دمشق میں صفر ۵۰۵ھ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ باپ کا نام ابو الفرج تھا۔ بی بی تقیہ نے تمام علوم متداولہ خصوصاً علم حدیث میں کامل دسترس حاصل کی۔ انہوں نے وطن سے باہر جا کر بھی کئی فضلاءِ زمانہ سے استفاضہ کیا۔ ان میں علامہ ابو طاہر احمد بن محمدؒ سلفی اصفہانی کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ وہ نہایت باعصمت اور پاکدامن خاتون تھیں۔ اور ان کی پاکدامنی کا عام چرچا تھا۔ سالہا سال تک لوگوں کو حدیث کا درس دیتی رہیں۔ شعر و شاعری میں ان کو درجۂ کمال حاصل تھا۔ بہت سے شعراء وقت کے ساتھ ان کے شاعرانہ مناظرے ہوئے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس نے (سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے بھتیجے) ملک مظفر تقی الدین عمر کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا۔ یہ قصیدہ خمریہ تھا یعنی اس میں شراب سے متعلق بہت سے تلازمات و نکات تھے۔ ملک مظفر نے قصیدہ سن کر طنزیہ کہا، معلوم ہوتا ہے کہ بڑی بی کو ان سب باتوں کی بچپن سے خبر ہے۔ بی بی تقیہ کو ملک مظفر کی بات کا علم ہوا تو انہوں نے ایک اور قصیدہ لکھا۔ یہ قصیدہ حربیہ تھا یعنی اس میں لڑائی سے متعلق تلازمات و نکات تھے۔ پھر انہوں نے ملک مظفر کو کہلا بھیجا کہ میں ایک علم والی شاعرہ ہوں، مجھ کو شراب کے بارے میں ویسا ہی علم ہے جیسا لڑائی کے بارے میں (اس لیے کوئی قصیدہ پڑھ کر یہ گمان نہ کیجئے کہ میرا علم اس قصیدہ تک ہی محدود ہے)۔ بی بی تقیہ نے ۵۷۹ھ ہجری میں وفات پائی۔

(ابنِ خلکان)

ساتویں صدی ہجری

۱۔ بی بی عائشۃ المنوبیہؒ ——— (عارفہ)

۲۔ بی بی عائشہؒ بنت مسلم حرانی — (عالمہ، محدثہ)

۳۔ بی بی فاطمہؒ بنت عباس — (عالمہ، معلمہ)

۴۔ بی بی ست الاہلؒ ——— (عالمہ، عارفہ)

۵۔ بی بی ضیفہ خاتون (مدبرہ، مخیرہ، علم دوست)

۶۔ بی بی خدیجہؒ بنت عبدالوہاب (عالمہ، ادیبہ، عارفہ)

۷۔ خاتون بنت ملک الاشرف موسیٰ (صالحہ، علم دوست، مخیر)

۸۔ بی بی ستارہ بانو ——— (عالمہ، شاعرہ)

۹۔ بی بی زینب بنت عبدالرحمنؒ ——— (محدثہ)

۱۰۔ بی بی خدیجہؒ بنت قیمؒ (عالمہ، ادیبہ، واعظہ، معلمہ)

۱۱۔ بی بی زین العربؒ ——— (محدثہ)

۱۲۔ بی بی بادشاہ خاتون (عالمہ، شاعرہ، مخیرہ، معارف پرور)

۱۳۔ بی بی خدیجہؒ بنت عبدالرحمٰن — (عالمہ، محدثہ)

۱۴۔ ملکہ شجر الدر ——— (حکمران)

۱۵۔ ملکہ ترکان خاتون ——— (مدبرہ)

۱۶۔ بی بی شہدہ بنت عمرؒ (عالمہ، محدثہ، معلمہ)

۱۷۔ ملکہ سلیمہ سلطانؒ ——— (صالحہ، قناعت پسند)

۱۸۔ بی بی فاطمہؒ بنت خشاب — (عالمہ، شاعرہ)

۱۹۔ ملکہ رضیہ سلطان (عالمہ، شاعرہ، فنون حرب میں ماہر، حکمران)

۲۰۔ بی بی حافظہ جمالؒ — (عابدہ، زاہدہ، عارفہ)

۲۱۔ بی بی مونسہؒ ——— (عالمہ فاضلہ)

۲۲۔ ملکہ خانزادہ گرد ولت چینؒ (صالحہ، انصاف پسند، خیرخواہ خلق)

۲۳۔ بی بی شیریںؒ بنت عبداللہ ہندیہ — (عالمہ، محدثہ)

۲۴۔ بی بی ست الامناء ——— (محدثہ)

۲۵۔ بی بی فاطمہ صائمہؒ ——— (عارفہ)

۲۶۔ ملکہ قتلغ خاتون (زیرک، بیدار مغز، حکمران)

۲۷۔ بی بی اسماء شامیہ ——— (محدثہ، مخیر)

۲۸۔ بی بی اولیاءؒ ——— (عارفہ)

۲۹۔ بی بی فاطمہ بنت ابراہیمؒ ——— (عالمہ، محدثہ)

۳۰۔ بی بی بنت خداویردی ——— (کاتبہ)

۳۱۔ بی بی قرسم خاتونؒ ——— (مومنہ، صالحہ)

۳۲۔ بی بی شریفہؒ ——— (عارفہ)

۳۳۔ بی بی زمرد ——— (محدثہ)

۳۴۔ بی بی فاطمہ سامؒ ——— (عارفہ، مخیر)

۳۵۔ بی بی سارہؒ ——— (عارفہ)

۳۶۔ بی بی فاطمہؒ بنت جمال الدین ——— (محدثہ)

۳۷۔ بی بی زلیخاؒ ——— (عابدہ، زاہدہ، عارفہ)

۳۸۔ بی بی راستیؒ ——— (عارفہ، حافظہ)

۳۹۔ بی بی ام الخیر جمال النساء — (عالمہ، محدثہ)

بی بی عائشۃ المنوّبیّہ

عائشۃ المنوّبیّہ تیونس (TUNIS) کی ایک پاکباز زاہدہ کا نام ہے جو ساتویں صدی ہجری میں گزری ہیں۔ ان کا پورا نام عائشہ بنتِ عمران بن الحجّاج سلیمان تھا۔ وہ تیونس سے مغرب کی جانب پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ایک گاؤں منوّبہ کی رہنے والی تھیں۔ اسی نسبت سے مَنوّبیّہ کہلاتی ہیں۔

وہ تیونس میں عام طور پر "السیّدہ" کے لقب سے مشہور تھیں۔

کہا جاتا ہے کہ صغر سنی ہی میں ان سے چند ایسی کرامات کا ظہور ہوا کہ لوگوں کو ان سے عقیدت ہو گئی۔ جب وہ سنِ رُشد کو پہنچیں تو ان کے والدین نے ان کی شادی ان کے حقیقی عم زاد سے کرنی چاہی لیکن وہ دنیا کے دھندوں میں نہیں پڑنا چاہتی تھیں اس لیے شادی سے انکار کر دیا اور تیونس جا کر ایک قیسریّہ (ایک قسم کی کارواں سرائے) میں مقیم ہو گئیں۔ یہ قیسریّہ شہر کے جنوب مشرق میں باب الفلّاق کے باہر واقع تھی۔ (باب الفلّاق بعد میں باب الگرجانی کے نام سے مشہور ہوا)۔ ایک مشہور روایت کے مطابق بی بی عائشہ مَنوّبیّہ نے تصوّف کی تعلیم مشہور صوفی شیخ ابوالحسن شاذلیؒ سے حاصل کی۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی تیونس کی اسی قیسریّہ میں گزار دی۔ وقت کا بیشتر حصہ عبادتِ الٰہی میں گزارتی تھیں اور اپنی روزی کپڑا بُن کر کماتی تھیں۔ انہوں نے طویل عمر پا کر باختلافِ روایت ۱۶ شوّال ۶۵۲ھ ہجری یا ۲۱ رجب ۶۵۵ھ ہجری کو وفات پائی اور باب الگرجانی کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ اُس زمانے میں اس قبرستان کا نام "باب الشرف" تھا۔

السیدہ عائشۃ المنوبیۃ کے مزار کو تیونس کی خواتین میں ایک مقدس زیارت گاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ جس قیسریۃ میں انہوں نے اپنی زندگی گزاری، ان کی معتقد خواتین اس سے بڑی عقیدت رکھتی ہیں اس کا نام اب تک "المنوبیۃ" چلا آتا ہے۔ یہ مقام الگرجانی کے قبرستان سے جنوب مشرق کی جانب کوئی تین سو گز کے فاصلے پر واقع ہے۔ قدیم قیسریۃ کے اردگرد آہستہ آہستہ ایک محلہ آباد ہو گیا جس میں ایک عبادت گاہ، زائروں کے لیے بہت سے حجرے، لوگوں کے ذاتی مکانات اور بہت سی دکانیں تعمیر ہو گئیں۔ خاص منوبہ کے گاؤں میں وہ گھر بھی جہاں السیدہ عائشہ پیدا ہوئیں، بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اب وہاں بہت سی عمارتیں بن گئی ہیں جہاں زائرین جا کر قیام کرتے ہیں۔ السیدہ عائشۃ المنوبیۃ کی شان میں عوامی زبان میں بہت سی نظمیں کہی گئی ہیں جو ان کے عقیدت مند بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ (دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲)

بی بی عائشہ بنتِ مسلم حرّانی رح

حرّان کی رہنے والی تھیں۔ ۶۴۷ھ میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اللہ نے ذہنِ رسا سے بھی نوازا تھا۔ والد نے حوصلہ افزائی کی اور ان کو اپنے دور کے بڑے بڑے علماء سے تعلیم دلائی۔ انہوں نے اپنے ذہنِ رسا کی بدولت فقہ اور حدیث میں کامل دستگاہ پیدا کی اور پھر سالہا سال تک درس و تدریس میں مشغول رہ کر خلقِ خدا کو فائدہ پہنچایا۔ خود ان کے ایک بھائی محاسن بن مسلم نے ان سے علم حدیث سیکھا اور مرتبہ کمال کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی عائشہ رح کو بہت اچھی صحت سے نوازا تھا۔ انہوں نے نوّے سال کی عمر پائی اور ۷۳۷ھ ہجری میں فوت ہوئیں۔ (مشاہیر النساء)

بی بی فاطمہ بنتِ عباس رح

فاطمہ نام تھا اور اُمِّ زینب کنیت تھی۔ والد کا نام عباس بغدادی تھا۔ بغداد میں پیدا ہوئیں اور وہیں سنِ شعور کو پہنچیں۔ والد نے بڑے اہتمام سے ان کی تعلیم و تربیت کی۔ چنانچہ وہ جملہ علوم و فنون میں طاق ہو گئیں خصوصاً علم فقہ میں بڑا نام پیدا کیا۔ پھر کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ وہ مصر چلی گئیں۔ وہاں کے فرمانروا کی بیٹی تذکار خاتون نے دل و جان سے ان کی پذیرائی کی اور ۶۸۴ھ میں ان کے لیے ایک خانقاہ "رباط البغدادیہ" کے نام سے بنوائی۔ اُمِّ زینب نے اس خانقاہ کو اپنا مسکن اور درسگاہ بنالیا۔ وہ قلیل معاش پر قناعت کرتی تھیں اور اپنا بیشتر وقت درس و تدریس اور وعظ و ہدایت میں گزارتی تھیں۔

مصر اور شام کی بے شمار خواتین ان کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور ان کے چشمۂ علم سے سیراب ہوتی تھیں۔ جس کو بھی ان کی چند روزہ صحبت نصیب ہو جاتی تھی وہ عمر بھر کے لیے اس کو اپنا سرمایۂ افتخار سمجھتی تھی۔

اُمِّ زینب فاطمہ رح نے ۷۱۴ھ ہجری میں وفات پائی۔ (مقریزی)

بی بی ستّ الاہل رح

علوان بن سعید بن علوان بن کامل کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا شمار ساتویں صدی ہجری کی نامور عالمات و عارفات میں ہوتا ہے۔ بعلبک کی رہنے والی تھیں۔ حنبلی مسلک رکھتی تھیں۔ انہوں نے مولانا بہاء الدین مقدسی رح سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۷۰۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

ضیفہ خاتون

الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف ایوبیؒ فاتح بیت المقدس کے بھائی الملک العادل سیف الدین ابی بکر بن ایوب کی صاحبزادی تھی۔ بعض نے اس کا نام صَفِیَہ بھی لکھا ہے لیکن عام طور پر وہ ضیفہ خاتون ہی کے نام سے مشہور ہے۔ اس سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ۵۸۱ھ ہجری یا ۵۸۲ھ ہجری میں جب وہ پیدا ہوئی تو اس کے والد کے پاس کوئی بڑی شخصیت مہمان کے طور پر قیام پذیر تھی۔ مہمان کو عربی میں ضَیف کہا جاتا ہے۔ اسی نسبت سے نومولود بچی کا نام ضیفہ رکھ دیا گیا۔ اس زمانے میں الملک العادل قلعۂ حلب کا حکمران تھا جو فتح کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اس کے سپرد کیا تھا۔ بعد میں سلطان نے الملک العادل کی جگہ اپنے بیٹے الملک الظاہر غیاث الدین غازی کو حلب کا حکمران مقرر کیا۔ اسی الملک الظاہر غازی سے ضیفہ خاتون کی شادی ہوئی۔ یہ الملک الظاہر غازی کی دوسری شادی تھی اس سے پہلے اس کی شادی ضیفہ خاتون کی ایک بہن غازیہ سے ہوئی تھی اس کی وفات کے بعد ضیفہ خاتون الملک الظاہر غازی کے عقدِ نکاح میں آئی۔ اس طرح وہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی بہو بن گئی۔

الملک الظاہر ۶۱۳ھ ہجری میں فوت ہو گیا اور اس کی جگہ الملک العزیز غیاث الدین محمدؒ حلب کا حکمران بنا۔ ۶۳۴ھ ہجری میں ضیفہ خاتون کے فرزند الملک العزیز غیاث الدین محمد نے وفات پائی تو اس کی جگہ الملک الناصر صلاح الدین یوسف (ثانی) تخت کا وارث قرار پایا۔ اس وقت اس کی

عمر صرف سات برس کی تھی، اس لیے ضیفہ خاتون نابالغ وارثِ تخت کی جگہ حلب کی حکمران قرار پائی۔

وہ بڑی نیک دل مخیّر اور مدبر خاتون تھی — اور المَلِکَۃُ الرَّحِیمَۃُ، عِصمَۃُ الدّین وَالدُّنیا (مہربان ملکہ، دین و دنیا کی عصمت) کے القاب سے یاد کی جاتی تھی۔ اس نے حکومت کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے چلایا اور بہت سے رفاہی ادارے بھی قائم کیے۔ ان میں سے ایک مدرسہ، ایک مسجد، اور ایک خانقاہ آج تک حلب میں اس کی یادگار موجود ہیں۔ مؤرخین نے اس کے آثارِ باقیہ میں مدرسۃ الفردوس اور خانقاہ فرافِرَہ کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔

ملکہ ضیفہ خاتون نے ۱۱ جمادی الاولیٰ ۶۴۰ھ ہجری کو وفات پائی۔ اسے قلعہ حلب کے اندر اس کے بیٹے الملک العزیز غیاث الدین محمدؒ کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔ (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ جلد-۱۲)

خدیجہؒ بنتِ عبدالوہابؒ

شیخ عبدالوہابؒ بن شیخ ہبۃ اللہ صوفی (المتوفی ۶۶۲ھ) کی صاحبزادی تھیں۔ علومِ ادبیہ اور معارفِ حقانیہ میں بڑا رتبہ رکھتی تھیں۔ اپنے خدارسیدہ والد کی طرح وہ بھی اولیاء اللہ میں شمار ہوتی تھیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب "مسامرات" میں ان سے بہت سی روایات نقل کی ہیں۔

(مشاہیر نسواں)

خاتون بنت ملک الاشرف موسیٰ

الملک الاشرف الموسیٰ بن الملک العادل سیف الدین ابوبکر بن ایوب والیٔ مصر کی صاحبزادی تھی۔ (فاتح اعظم سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اس کے دادا کا حقیقی بھائی تھا)۔ اس کی شادی الملک المنصور محمود بن صالح سے ہوئی تھی۔ بڑی نیک سیرت، علم دوست اور مخیرہ بی بی تھی۔ اس نے دمشق میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔

خاتون نے ۶۹۴ھ میں وفات پائی۔

(مشاہیر النساء۔ تذکرۃ الخواتین)

ستارہ بانو

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ[1] کی صاحبزادی تھیں۔ عالمہ فاضلہ

---

[1] اصل نام مشرف الدین تھا۔ مصلح الدین لقب اور سعدی تخلص تھا۔ (بعض نے ان کے والد کا نام مصلح الدین لکھا ہے) تقریباً ۵۸۰ھ ہجری میں بمقام شیراز پیدا ہوئے۔ انہوں نے تعلیم بغداد کے شہرۂ آفاق مدرسۂ نظامیہ میں حاصل کی اور مراحل تصوف پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نگرانی میں طے کیے۔ انہوں نے کم از کم چودہ بار حج کیا۔ تقریباً ایک سو دس سال کی عمر پائی۔ اپنی طویل زندگی کے پہلے تیس سال تعلیم میں، دوسرے تیس سال سیر و سیاحت میں اور شعر گوئی میں، تیسرے تیس سال ریاضت و مجاہدہ اور اپنے کلام کی ترتیب و تکمیل میں اور آخری بارہ سال تصوف کی تلقین و اشاعت اور غرباء و مساکین کی خدمت اور (باقی حاشیہ اگلے صفحہ

خاتون تھیں۔ اور بہت سی خوبیوں کے علاوہ فنِ شعر میں بھی کامل تھیں کوکب تخلص تھا یہ مطلع انہی کا ہے ؎

عشق بازاں رو بسوئے قبلہ آں کو کنند
ہر کجا محراب ابروئیش نمایدرو کنند

(مشاہیر نسواں بحوالہ اختر تاباں)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

حاجت روائی میں صرف کیے۔ انہوں نے مصر، افریقہ، عراق، حجاز، شام، بلخ، غزنی، بعلبک وغیرہ کی خالصتاً درویشانہ انداز میں سیاحت کی ہر طرح کے لوگوں سے ملے اور ان کی معاشرت سے آگاہی حاصل کی۔ انہوں نے ۶۹۱ھ / ۱۲۹۱ء میں وفات پائی۔ مزار شیراز میں ہے۔

شیخ سعدیؒ نے فردوسی اور حافظ شیرازی کی طرح عالمگیر شہرت حاصل کی۔ نظم اور نثر دونوں پر ان کو یکساں قدرت حاصل تھی۔ ان کو غزل کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ گلستان اور بوستان ان کی دو کتابیں دنیا کی عظیم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں اور ان کی بنا پر انہیں "دانائے مشرق" کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ انہوں نے غزلیات کا دیوان (کلیات) کچھ قصائد اور چند نظموں کے مجموعے بصورت طیبات اور ہزلیات بھی لکھے۔ ان کے کچھ قصائد اور نظمیں عربی میں بھی ہیں۔ بعض تذکروں میں ان کی کچھ اور تصانیف (تاریخ عباسیہ۔ جزائر افریقہ، کتاب ہیئت، تصوف میں چند رسائل) کا سراغ بھی ملتا ہے لیکن یہ سب نایاب ہیں۔

شیخ سعدیؒ کی متاہلانہ زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۱۔ حیاتِ سعدی وغیرہ)

بی بی زینبؒ بنتِ عبدالرحمٰن

بیت المقدس کی رہنے والی تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے۔
زینبؒ بنت عبدالرحمٰن بن احمد بن عبدالملک بن عثمان بن عبداللہ
بن سعد بن مُفلح بن ہبیۃ اللہ بن نمیر۔
اپنے دور کی نامور محدّثہ تھیں۔ انہوں نے علامہ ابراہیم بن خلیلؒ اور
بعض دوسرے محدّثین سے حدیث کی اجازت لی اور پھر طویل مدت تک خود
درس و تدریس میں مشغول رہیں۔ ان کے شاگردوں میں علامہ صلاح الدین الصفدیؒ[1]
کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ بی بی زینبؒ نے ۷۰۱ھ ہجری میں وفات پائی۔
(مشاہیر النساء)

---

[1] علامہ صلاح الدین ابو الصفا خلیل بن ایبک بن عبداللہ کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے شہرہ آفاق علماء، شعراء، مؤرخین اور کُتّاب میں ہوتا ہے۔ ۶۹۴ھ (۱۲۹۴ء) میں پیدا ہوئے اور ۷۶۴ھ (۱۳۶۲ء) میں بمقام دمشق وفات پائی۔ انہوں نے اپنی تصنیفات کی ایک کثیر تعداد اپنی یادگار چھوڑی۔ اپنے خود نوشت سوانح حیات کے مطابق ان کی تصانیف پانچ سو جلدوں میں ہیں اور جو کچھ انہوں نے بحیثیت کاتب (خوشنویس) لکھا وہ اس سے دگنا ہے۔ ان کی بیشتر تصانیف امتدادِ زمانہ سے نایاب ہو چکی ہیں جو مکمل یا غیر مکمل حالت میں دستیاب ہیں ان کی تعداد تیس سے کچھ اوپر ہے۔ یہ سب تقریباً گزشتہ مصنفین سے اقتباس شدہ تالیفات ہیں جس کا الصفدی خود بھی اعتراف کرتے ہیں۔ ان تالیفات میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: ـــ اعیان العصر و اعوان النصر، کتاب الادب، الوافی بالوفیات، منشآت، کتاب الشعور بالعور، تاریخ الوافی، التذکرۃ الصلاحیۃ، مسالک الابصار و ممالک الامصار، اختراع الخراع، غوامض الصحاح، جنان الجناس فی علم البدیع۔ (حبیب السیر خواندمیر۔ الدرر الکامنہ، ابن حجرؒ)

بی بی خدیجہؒ بنتِ قیمؒ

ساتویں صدی ہجری میں، بغداد میں ایک نامور فاضلہ گزری ہیں۔ ۶۰۸ھ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ والد نے ان کے شوق اور علمی استعداد کو دیکھتے ہوئے حصولِ علم میں ان کی بہت حوصلہ افزائی کی۔ بی بی خدیجہؒ نے بہت جلد کتابت (خوشنویسی) اور قرأت میں درجۂ کمال حاصل کر لیا۔ بغداد میں وہ کریمہ محدثہ اور ابنِ شیرازی کی مجالسِ درس میں شریک ہوئیں۔ پھر مصر جا کر ابن الخمیزیؒ اور علی بن المختار عامریؒ سے تمام مروجہ علوم کی تکمیل کی۔ اس کے بعد انہوں نے خود مسندِ درس بچھائی اور برسوں درس و تدریس اور وعظ و ہدایت میں مشغول رہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بے شمار خواتین ان کی درسگاہ میں آتیں اور وہ ان کے سامنے نہایت فصیح و بلیغ وعظ کہتیں۔ کئی سال تک تبوک اور دمشق میں بھی مقیم رہیں اور لوگوں کو حدیث کا درس دیتی رہیں۔ ادبیات میں بھی ان کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ چنانچہ مقامات حریری کی تشریح ایسی عمدگی سے کرتی تھیں کہ بڑے بڑے علماء ان سے استفاضہ کرتے تھے اور یہ کتاب پڑھنے کے لیے بطورِ خاص ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ۹۱ سال کی شاندار زندگی گزارنے کے بعد بی بی خدیجہؒ نے ۶۹۹ھ ہجری میں وفات پائی۔

(تذکرۃ الخواتین)

بی بی زین العربؒ

دمشق کی نامی گرامی محدثہ ہوئی ہیں۔ والد کا نام تاج الدین عبدالرحمٰن بن عمر بن حسن بن عبدالسلمی تھا۔ انہوں نے اپنے عہد کے بڑے بڑے بزرگانِ دین سے اکتسابِ علم کیا اور اجازت لی۔ پھر دوسرے لوگوں کو طویل مدت تک درس دیتی رہیں۔ ۷۰۴ھ میں انتقال کیا۔

(مشاہیر النساء)

پادشاہ خاتون

قطب الدین محمد (قتلغ خانی) شاہِ کرمان (۶۵۰ھ تا ۶۵۵ھ) کی بیٹی تھی۔ نہایت عالمہ فاضلہ انصاف پسند اور حسین و جمیل خاتون تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے قرآنِ پاک اور دوسری کتابیں لکھا کرتی تھی۔ شعر و سخن کا بھی شوق تھا۔ یہ دو رباعیاں اس کا نمونۂ کلام ہیں:

درونِ پردۂ عصمت کہ تکیہ گاہِ منست
مسافرانِ ہوا را گزر بدشوار یست
نسیم باد مزن سر بزیر مقنعۂ او!
کہ تار و پودِ وے از عصمت و نکو کار یست

ہر لعل کہ دید ہرگز از مشک رقم
یا غالیہ بر نوش کجا کرد ستم
جانا اثر خال سیہ بر لب تو
تاریکی و آبِ زندگانی ست بہم

۶۵۵ھ میں قطب الدین محمد کی وفات کے بعد اس کی بیوہ (پادشاہ خاتون کی والدہ) قتلغ (ترکان) خاتون کرمان کے تختِ حکومت پر بیٹھی اور چھبیس سال تک بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت کی۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں رفاہِ عام کے بہت سے کام کیے۔ ان میں ایک عظیم الشان دینی مدرسے کا قیام بھی تھا۔ اس کے بعد ۶۸۱ھ میں جلال الدین سیور غتمش کرمان کا فرمانروا بنا۔ سیور غتمش

کے بعد باختلاف روایت ۶۹۱ھ یا ۶۹۳ھ میں پادشاہ خاتون صفوۃ الدین کے لقب کے ساتھ کرمان کے تخت پر جلوہ افروز نظر آتی ہے۔ اکثر امرائے سلطنت کو یہ شبہ تھا کہ اپنے لائق بھائی کے قتل میں اس کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ وہ اس سے بگڑ بیٹھے اور ۶۹۳ھ یا ۶۹۴ھ میں اس کو معزول کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پہلے اسے اس کے مسکن میں دفن کیا گیا پھر اس کی نعش وہاں سے اس مدرسے میں منتقل کر دی گئی جو اس کی والدہ قتلغ (ترکان) خاتون نے بنوایا تھا۔

پادشاہ خاتون نہ صرف خود علم و فضل کے اعتبار سے یکتائے زمانہ تھی بلکہ وہ ارباب علم کی بھی بے حد قدر دان تھی اور کھلے دل کے ساتھ ان کی سرپرستی کرتی تھی۔ (روضۃ الصفا میر خواند)

بی بی خدیجہؒ بنت عبد الرحمٰنؒ

ساتویں صدی ہجری کے ایک مشہور فقیہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن الحسن بن عبداللہ النوری کی صاحبزادی تھیں۔ مولانا ابو القاسم عبد الرحمٰنؒ کو تعلیم و تعلم کے ساتھ جہاد کا بھی بہت شوق تھا ___ وہ ۶۴۸ھ ہجری میں جنگِ دمیاط میں اسلامی فوج کے ایک مجاہد کی حیثیت سے صلیبی لشکر کے خلاف سر بکف ہو کر لڑے اور اسی معرکے میں شہادت پائی۔ بی بی خدیجہؒ نے اسی مجاہد باپ کے زیر سایہ تربیت پائی۔ وہ تمام مروجہ علوم بالخصوص حدیث میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں اور ایک زمانہ ان کے علم و فضل کا معترف تھا۔ ان کی علمی قابلیت کی وجہ سے لوگ ان کو اُمّ الفضل کہہ کر پکارتے تھے اور یہی ان کی کنیت مشہور ہو گئی تھی۔ بی بی خدیجہؒ نے اپنی تمام زندگی مصر میں گزاری اور وہیں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

(تذکرۃ الخواتین)

ملکہ شَجَرۃُ الدُّر یا شَجرُ الدُّر

شجرۃ الدُّر مصر کے ایوبی فرمانروا الملک الصالح نجم الدین ایوب کی ملکہ تھی۔ الملک الصالح جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی الملک العادل کا پوتا تھا، ۶۳۷ھ ۱۲۴۰ء میں مسندِ حکومت پر بیٹھا۔ شجرۃ الدُّر پہلے ایک کنیز تھی۔ اس کے حسنِ صورت و سیرت کو دیکھ کر الملک الصالح نے اس سے شادی کر لی۔

الملک الصالح نے شعبان ۶۴۷ھ ۱۲۴۹ء میں وفات پائی۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا توران شاہ تختِ حکومت پر بیٹھا (یہ ملکہ شجرۃ الدُّر کا سوتیلا بیٹا تھا۔ وہ الملک الصالح کی ایک اور بیوی کے بطن سے تھا) اس نے بہت سے مصری حاکموں اور امیروں کو جو "ممالیکِ بحری" سے تعلق رکھتے تھے، معزول کر دیا۔ اس پر ممالیکِ بحری اس سے ناراض ہو گئے۔ ۶۴۸ھ ۱۲۵۰ء میں انہوں نے توران شاہ کو قتل کر کے ملکہ شجرۃ الدُّر کو "المستعصمۃ الصالحۃ الملکۃ المسلمین عصمت الدنیا والدین ام الملک المنصور خلیل" کا خطاب دے کر مصر کے تختِ حکومت پر بٹھا دیا (شجرۃ الدُّر کا ایک لڑکا خلیل نامی چھ سال کی عمر کا ہو کر فوت ہو گیا تھا اسی کے نام کی نسبت سے اس کی کنیت اُمِّ خلیل تھی۔) ملکہ شجرۃ الدُّر اسّی دن تک مصر پر بلا شرکتِ غیرے حکمران رہی۔ اس دوران میں اس نے غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اور کاروبارِ حکومت کو نہایت عمدگی سے چلایا لیکن عباسی خلیفہ بغداد المستعصم باللہ نے عورت کی حکومت کو پسند نہ کیا اور مملوک سرداروں کو پیغام بھیجا کہ کسی مرد کو اپنا حاکم بنائیں۔ چنانچہ ممالیکِ بحری نے جمادی الاولیٰ ۶۴۸ھ ۱۲۵۰ء میں ملکہ شجرۃ الدُّر کو معزول کر دیا اور رئیس العساکر (سپہ سالار) المعز عزّ الدین ایبک کو ایک نوعمر ایوبی شہزادے الملک الاشرف موسیٰ کا شریکِ کار

بناکر تختِ حکومت پر بٹھا دیا۔ شجرۃ الدُّر نے باختلافِ روایت اسی سال (۶۴۸ھ ۱۲۵۰ء یا ۶۵۲ھ ۱۲۵۴ء میں) المعزّ عزالدین ایبک سے نکاح کر لیا۔

المعزّ اور الملک الاشرف کی مشترکہ حکومت چار سال تک چلتی رہی۔ اس کے بعد (۶۵۲ھ ۱۲۵۴ء میں) الملک الاشرف موسیٰ حکومت سے تعلق توڑ کر یمن چلا گیا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ الملک الاشرف موسیٰ ایوّبی خاندان کا آخری حکمران تھا جس کے نام کا خطبہ مصر میں پڑھا گیا اس کے بعد وہاں خالص مملوک حکومت قائم ہو گئی اور پہلے بحری اور پھر برجی مملوکوں نے مجموعی طور پر پونے تین سو سال اس شان سے حکمرانی کی کہ مشرق و مغرب کا کوئی حکمران ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔

المعز کا تعلق بحری مملوکوں سے تھا۔ مسندِ حکومت پر بیٹھنے کے بعد اس نے الملک المعز جاشنگیر کا لقب اختیار کیا اور اپنی داد و دہش سے مملوک فوج کو مکمل طور پر اپنے قابو میں رکھا لیکن اس کو زیادہ عرصہ حکومت کرنا نصیب نہ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے امیر موصل کی بیٹی شہزادی ٹوٹو سے نکاح کر لیا۔ اس پر ملکہ شجرۃ الدُّر سخت ناراض ہوئی اور ایک دن جب المعز حمام میں غسل کر رہا تھا، اس نے اپنی لونڈیوں کے ذریعے اسے قتل کرا دیا۔ جونہی یہ خبر ملکہ ٹوٹو اور مملوک امراء کو معلوم ہوئی وہ سخت غضب ناک ہوئے اور ملکہ شجرۃ الدُّر کو گرفتار کر کے قلعہ قاہرہ کے قید خانے میں ڈال دیا۔ ایک دن ملکہ ٹوٹو کے اشارے سے اس کی چند لونڈیاں قید خانے میں گئیں اور لکڑی کے جوتوں سے مار مار کر شجرۃ الدُّر کو ختم کر ڈالا پھر اس کی لاش قلعہ کے نیچے خندق میں پھینک دی۔ مملوک امراء نے مقتول ملکہ کی لاش کو اس کی تعمیر کردہ ایک مسجد کے احاطے میں دفن کرا دیا۔

یہ تمام واقعات ۶۵۵ھ مطابق ۱۲۵۷ء میں پیش آئے۔ (تاریخ اسلام، تاریخ مصر وغیرہ)

ملکہ ترکان

شیراز (فارس) کے سلغری حکمران اتابک ابوبکر بن سعد (۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء تا ۶۵۸ھ ۱۲۶۰ء) کی ملکہ تھی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ وہ بڑی بیدار مغز اور مدبر خاتون تھی۔ ۶۵۸ھ ۱۲۶۰ء میں اس کا شوہر ابوبکر بن سعد فوت ہوا تو اس کا بیٹا محمد اتابک بہت کمسن تھا۔ اس لیے سلطنت کی بقا کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس وقت ملکہ ترکان نے بڑے عزم اور حوصلے سے کام لیا اور اپنے صغیر السن فرزند محمد اتابک کو تخت نشین کر کے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس سے دو سال پہلے ہلاکو خان بغداد کی عباسی خلافت کا خاتمہ کر چکا تھا اگرچہ وہ بغداد کو تباہ و برباد کر کے اپنے وطن واپس آگیا تھا لیکن عالمِ اسلام کے لیے بدستور خطرہ بنا ہوا تھا۔ ملکہ ترکان نے صورتِ حال کا جائزہ لے کر سمجھ لیا کہ اس خطرے سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ہلاکو خان سے دوستانہ تعلقات استوار کر لیے جائیں۔ چنانچہ اس نے ایک عظیم الشان سفارت مرتب کی اور اسے بہت سے تحائف دے کر ہلاکو خان کے پاس بھیجا۔ ہلاکو خان یہ تحائف پا کر خوش ہو گیا اور اس نے ملکہ ترکان کے فرزند محمدؒ اتابک کو سلطنتِ فارس کا حکمران تسلیم کر لیا۔ ملکہ نے تاتاریوں کے خطرے سے مطمئن ہو کر سلطنت کا نظم و نسق بڑی خوش اسلوبی سے چلایا مگر ؏ تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ

بدقسمتی سے دو سال بعد اس کا فرزند محمدؒ اتابک بالاخانے سے گر کر فوت ہو گیا۔ ملکہ نے اس جانکاہ صدمے کو بڑے صبر اور حوصلے سے برداشت کیا اور تمام عمائدِ سلطنت کو ہموار کر کے اپنے داماد محمدؒ شاہ اتابک کو تختِ شیراز پر بٹھا دیا۔ یہ ۶۶۰ھ ۱۲۶۲ء کا واقعہ ہے محمد شاہ بادشاہ بن کر کھل کھیلا اور ہر وقت عیش و عشرت

میں مشغول رہنے لگا۔ ملکہ ترکان نے اس کو بہت کچھ نصیحت کی لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ناچار ملکہ نے پھر عمائدِ سلطنت کو اپنے اعتماد میں لیا اور چند ماہ بعد محمد شاہ کو معزول کر کے اس کے بھائی سلجوق شاہ آتابک کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ بدبخت اپنے بھائی سے بھی زیادہ نالائق نکلا۔ جب ملکہ ترکان نے اس کو سرزنش کی تو وہ محسن کشی پر تُل گیا اور اپنے ایک غلام کے ذریعے اپنی ولیۂ نعمت ملکہ ترکان کو مروا ڈالا۔ مگر اس کو زیادہ عرصہ حکومت کرنا نصیب نہ ہوا۔

۶۶۲ھ (۱۲۶۳ء) میں ہلاگو خان کا لشکر قہرِ خدا بن کر شیراز پر آنازل ہوا۔ سلجوق شاہ مارا گیا اور ہلاگو خان نے سلغری خاندان کی ایک شہزادی عَبش سے اپنے بیٹے منگو تیمور کی شادی کر کے شیراز کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔

(مشاہیر نسواں۔ "نگار" فرمانروایانِ اسلام نمبر)

بی بی شہدہؒ بنتِ عمر

عمر بن احمد بن ہبۃ اللہ احمد بن یحییٰ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا شمار ساتویں صدی ہجری کی نادرۂ روزگار عالمات میں ہوتا ہے۔ وہ ۶۲۰ھ ہجری میں اُس دَور کے ایک نامور محدث علامہ فاضل کاشغریؒ کے درس میں حاضر ہوئیں۔ پھر ثابت بن شرفؒ اور اس عہد کے بعض دوسرے علمائے کبار سے حدیث کی اجازت لی اور بے شمار بندگانِ خدا کو اپنے درس و تدریس سے مستفیض کیا۔ ان سے کسبِ فیض کرنے والوں میں اُس دَور کے کئی نامور علماء بھی شامل تھے۔

(مشاہیر نسواں)

ملکہ سلیمہ سلطان

خاندانِ غلاماں کے آٹھویں فرمانروائے ہند سلطان ناصرالدین محمود (۶۴۳ھ تا ۶۶۴ھ / ۱۲۴۶ تا ۱۲۶۵) کی بیگم تھی۔ سلطان مذکور بڑا پرہیزگار اور درویش خو بادشاہ تھا۔ وہ اپنی روزی فالتو وقت میں قرآن مجید لکھ کر کماتا تھا اور اپنی ذاتی ضرورتوں کے لیے سرکاری خزانے سے کچھ نہیں لیتا تھا۔ قرآن مجید کی کتابت کی آمدنی کچھ زیادہ نہیں ہوتی تھی اس لیے اس کی گھریلو زندگی بڑی غریبانہ تھی۔ اس کے گھر میں کوئی خادمہ یا باورچن نہیں تھی اور گھر کا سارا کام کاج اس کی ملکہ کو خود کرنا پڑتا تھا۔ سلیمہ سلطان ایک بڑے سردار الغ خاں (غیاث الدین بلبن) کی بیٹی تھی جو آگے چل کر خود ہندوستان کا بادشاہ بنا اور ۶۶۴ھ سے لے کر ۶۸۸ھ (۱۲۶۵ء - ۱۲۸۹ء) تک حکومت کی۔ تختِ حکومت پر بیٹھنے سے پہلے بھی اس کے دبدبہ، حشمت اور شان و شوکت کی کوئی حد نہ تھی۔ چنانچہ سلیمہ سلطان نے بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی مگر اپنے درویش صفت شوہر کی پرہیزگاری اور قناعت کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنی طبیعت کو بھی اسی سانچے میں ڈھال لیا۔ پھر بھی کبھی کبھی اس کو اپنا ماضی یاد آ جاتا تھا۔

ایک دن اس نے شوہر سے کہا:

"میں نے اپنے گھر میں کبھی روٹی نہیں پکائی تھی لیکن یہاں مجھے خود روٹی پکانی پڑتی ہے۔ کئی دفعہ میرے ہاتھ جل جاتے ہیں اور ان میں چھالے پڑ جاتے ہیں آپ میرے لیے ایک خادمہ کا بندوبست کر دیں۔"

ملکہ کی بات سن کر بادشاہ رونے لگا پھر اس نے کہا:

"بیگم! یہ دنیا گزر جانے والی ہے یہاں اس تکلیف کو برداشت کر کے صبر کرو۔ قیامت کے دن اللہ تم کو اس کا اچھا بدلہ دے گا۔ میری آمدنی بہت معمولی ہے اور میں ایک غریب آدمی ہوں اس لیے تمہارے لیے کسی خادمہ کا انتظام کرنا ممکن نہیں۔ رہا سرکاری خزانہ تو اس پر رعایا کا حق ہے میں اس کا مالک نہیں۔"

سلیمہ سلطان شوہر کی بات سن کر خاموش ہو گئی اور عمر بھر گھر کا سارا کام ہنسی خوشی کرتی رہی۔ کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائی۔

(طبقاتِ ناصری)

(ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں وغیرہ)

بی بی فاطمہؒ بنتِ خشاب

ملک شام کی ایک نامور فاضلہ اور شاعرہ کا نام ہے۔

علامہ صلاح الدین صفدی (المتوفی ۷۶۴ھ / ۱۳۶۳ء) نے اپنی کتاب "اعیان العصر و اعوان النصر" میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک مرتبہ قاضی شہاب الدین نے فاطمہؒ بنتِ خشاب کو امتحاناً تین قصائد لکھ کر بھیجے۔ انہوں نے ہر ایک کا برجستہ اور فصیح و بلیغ جواب لکھا۔

بی بی فاطمہ بنتِ خشاب نے ۷۱۹ھ میں وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

ملکہ رضیہ سلطان (سلطانہ)

رضیہ سلطانہ جسے رضیہ سلطان بھی کہا جاتا ہے پہلی اور آخری مسلمان خاتون ہے جو دلی کے تخت پر بیٹھی اور ۶۳۴ھ سے ۶۳۷ھ تک ہندوستان پر حکومت کی۔ وہ خاندانِ غلاماں کے تیسرے فرمانروا سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ھ تا ۶۳۳ھ) کی بیٹی اور اسی خاندان کے پہلے فرمانروا سلطان قطب الدین ایبک (۶۰۲ھ تا ۶۰۷ھ) کی نواسی تھی۔ بچپن ہی سے بڑی ذہین و فطین تھی۔ علم دوست والد نے اس کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ رضیہ نے ابتدا میں قرآنِ پاک پڑھا، پھر اونچے درجے کے علماء سے مروجہ علوم کی تعلیم پائی۔ اس کے ساتھ ہی عربی فارسی اور ترکی میں اعلیٰ دستگاہ حاصل کی۔ علاوہ ازیں اس نے فنونِ حرب و ضرب بھی سیکھے اور شہسواری، شمشیرزنی، اور نشانہ بازی میں بھی طاق ہو گئی۔ اس کے اعلیٰ اوصاف و خصائل کی بنا پر التمش اس کو بے حد عزیز جانتا تھا۔ وہ اس کو کاروبارِ حکومت چلانے کے گر بھی بتاتا رہتا تھا اور وقتاً فوقتاً امورِ مملکت میں اس سے مشورہ بھی لیتا تھا۔ اگر کسی مہم کے سلسلے میں اسے دارالحکومت سے باہر جانا پڑتا تو بیٹوں کی موجودگی کے باوجود وہ رضیہ ہی کو اپنا جانشین بنا کر جاتا۔ وہ اس کی غیر حاضری میں حکومت کے تمام کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتی اور نظم و نسق میں کسی قسم کا خلل نہ پڑنے دیتی۔ اس طرح اس کو التمش کی زندگی ہی میں حکومت سنبھالنے اور انتظامی امور سے نبٹنے کی عملی تربیت مل گئی تھی۔

مشہور سیاح ابن بطوطہ نے جو محمد تغلق کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا، اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ — "رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتھیار لگا کر

گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی، ہندوستان کے بادشاہوں کا دستور تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے تو اپنے ساتھ حرم کی خواتین کو بھی لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ التمتش شیر کے شکار کو گیا۔ خواتین پیچھے تھیں کہ ایک شیر جنگل سے نکل کر بادشاہ پر جھپٹا، عین اس وقت رضیہ برق رفتاری سے لپک کر وہاں پہنچی اور تلوار کا ایسا بھرپور وار شیر پر کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اگر وہ نہ پہنچ گئی ہوتی تو بادشاہ بری طرح زخمی ہو گیا ہوتا۔" اس واقعہ کے بعد التمتش کی نظر میں رضیہ کی وقعت دوچند ہو گئی۔

"فتوح السلاطین" کے مصنف عصامی کا بیان ہے کہ: ــــــ

"رضیہ کو ذہانت اور خوبصورتی باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ شہزادگی ہی کے زمانے میں اس نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا تھا۔ بڑے بڑے جہاندیدہ مدبر اس کی ذہانت اور لیاقت کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ اگرچہ رضیہ کے بھائی موجود تھے لیکن سلطان التمتش کو جب بھی سرکشوں کی سرکوبی کرنے کے لیے دارالحکومت سے باہر جانا پڑتا، وہ دلی میں رضیہ ہی کو اپنا نائب بنا کر جاتا۔ اس کو اس بات کا احساس تھا کہ عورت کی حکمرانی اس کے عمائد سلطنت کو ناگوار گزرے گی چنانچہ ایک مرتبہ اس نے اپنے اقدام کے جواز میں امرار حکومت کے سامنے یہ تقریر کی کہ "یہ درست ہے کہ میری بیٹی رضیہ عورت ہے مگر اس میں بھی کوئی مبالغہ نہیں کہ اس کا دل و دماغ مردوں جیسا ہے اور جتنا میرے سارے بیٹوں کا حوصلہ اور دماغ ہے اس سے کہیں بڑھ کر رضیہ علم و دانش ہمت اور دلاوری سے بہرہ مند ہے۔"

سلطان التمتش کے آٹھ بیٹے تھے۔ ایک بیٹا اس کی زندگی ہی میں انتقال کر گیا باقی سات پر قابلیت اور حسن سیرت کے اعتبار سے وہ رضیہ کو ترجیح دیتا تھا۔ چنانچہ وفات سے پہلے اس نے رضیہ ہی کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس نے بستر مرگ پر اپنے بیٹے رکن الدین فیروز شاہ کو تاج و تخت سونپ دیا لیکن بیشتر مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کی خواہش یہی تھی کہ اس کے بعد رضیہ

ہی تخت حکومت پر بیٹھے۔ التتمش نے وفات پائی تو امرائے دربار نے عورت کی حکمرانی کو ناپسند کرتے ہوئے اس کے ایک بیٹے رکن الدین فیروز کو تخت پر بٹھا دیا۔ وہ پرلے درجے کا عیاش اور اوباش نوجوان تھا ہر وقت شراب کے نشے میں دُھت رہتا تھا اور سلطنت کا انتظام اس کی ماں شاہ ترکان چلاتی تھی۔ وہ بڑی سنگدل عورت تھی اس کے مظالم سے لوگوں میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ آخر ۶۳۴ھ میں دلی کے عوام اور فوج کے ایک حصے کی جانب سے رکن الدین فیروز کو معزول کر کے رضیہ کے ملکہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا ——— وہ رضیہ سلطان کا لقب اختیار کر کے بڑی شان و شوکت سے تختِ شاہی پر متمکن ہوئی اور عامۃ الناس سے وعدہ کیا کہ وہ ان کی فلاح و بہبود کے لیے جو کچھ بھی اس کے بس میں ہے کرے گی۔ رضیہ سلطان کے اوصافِ حمیدہ کے باوجود، وزیرِ سلطنت نظام الملک محمد جنیدی اور متعدد دوسرے عمائدِ سلطنت، ملک علاء الدین شیر خانی، ملک سیف الدین کوچی، ملک عزالدین کبیر خانی وغیرہ نے اس کو ملکہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے خلاف بغاوت کی تیاری میں مشغول ہو گئے لیکن رضیہ سلطان نے تنہا اپنی تدبیر و شجاعت سے ان میں پھوٹ ڈلوا دی اور پھر ان کو ایسا زچ کیا کہ وہ ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے مگر کہیں پناہ نہیں ملتی تھی۔

رضیہ سلطان نے ان تمام قوانین و ضوابط کو جو اس کے والد کے عہد میں نافذ تھے اور رکن الدین فیروز کے زمانے میں منسوخ کر دیے گئے تھے از سرِ نو قائم کیا اور مختلف عہدوں پر ایسے لوگوں کا تقرر کیا جو بڑے قابل اور باصلاحیت تھے۔" تاریخ فرشتہ" میں ہے کہ " سلطان رضیہ ایسے تمام اوصاف سے مزین تھی جو ایک عاقل اور صاحب رائے بادشاہ کے لیے ضروری ہیں۔ اصحابِ نظر اس میں سوائے اس کے کہ وہ عورت تھی، کوئی اور عیب نہیں پاتے تھے۔ وہ قرآن مجید پورے آداب کے

ساتھ پڑھا کرتی تھی اور دوسرے علوم سے بھی آگاہی رکھتی تھی۔ اپنے باپ کے زمانہ ہی سے ملکی معاملات میں دخل دیا کرتی تھی اور فرمانروائی کیا کرتی تھی سلطان اس کی عقل و فراست اور فرزانگی دیکھ کر مانع نہ ہوتا۔"

رضیہ سلطان کا نظام حکومت نہایت عادلانہ تھا۔ وہ امیر غریب مسلم اور غیر مسلم ہر ایک کے ساتھ انصاف کرتی تھی۔ مظلوموں کی فریاد سنتی اور ظالموں کو سزا دیتی تھی۔ شاہی ملازمین میں سے کسی کو رشوت لینے کی مجال نہ تھی۔ وہ مردانہ لباس پہنتی اور قبا و کلاہ کے ساتھ دربار کیا کرتی تھی۔ ہاتھی پر بھی سوار ہوتی تھی لیکن گھوڑے کی سواری اُسے بہت پسند تھی۔ جنگ کے وقت فوج کو خود مرتب کرتی تھی اور اپنے سپاہیوں کے دوش بدوش میدانِ رزم میں دادِ شجاعت دیتی تھی۔ اپنے دورِ حکومت کے آخر میں اس نے پردہ ترک کر دیا تھا اور بلا نقاب دربار میں آتی تھی کیونکہ اس کے نزدیک پردہ سلطنت کے کام کاج میں خارج ہوتا تھا۔ اس نے قاضی کبیر الدین، قاضی نصیر الدین، قاضی سعید الدین اور قاضی جلال الدین پر مشتمل ایک مجلسِ قضاۃ قائم کی جس کے مشورے سے جملہ احکام صادر کیے جاتے تھے۔

رضیہ سلطان نے نظامِ سلطنت کو کامیابی سے چلانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا لیکن اس کو اَمن چین سے بیٹھنا بہت کم نصیب ہوا کیونکہ متعدد امراء اس کے خلاف سازشوں میں برابر مصروف رہے۔ ان کی مخالفت کے مختلف اسباب تھے جن میں سے کچھ یہ تھے۔

(۱) وہ عورت کی حکمرانی کو پسند نہیں کرتے تھے اور اسے اپنے لیے باعث توہین سمجھتے تھے۔

(۲) اس کے مردانہ لباس پہننے اور بے نقاب دربار میں آنے کو وہ ناجائز سمجھتے تھے۔

(۳) ملکہ نے ایک حبشی غلام ملک جمال الدین یاقوت کو جو شاہی اصطبل کا

مہتمم تھا، ترقی دے کر میرِ شکار کے عہدے پر فائز کر دیا اور ساتھ ہی اس کو امیر الامراء کا خطاب دیا۔ اس عنایتِ خسروانہ کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک لڑائی میں اس نے ملکہ کی جان بچائی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یاقوت ایک قابل اور با صلاحیت آدمی تھا اسی لیے ملکہ نے اس کو ترقی کا مستحق سمجھا لیکن تُرک امراء نے اس کو غلط معنی پہنائے، اس کی ترقی کو انہوں نے اپنی توہین سمجھا اور ملکہ پر تہمت طرازی کی۔

مخالف امراء کی سازشوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ پہلے لاہور کے حاکم ملک عزیز الدین نے عَلَمِ بغاوت بلند کیا۔ ملکہ اس کی سرکوبی کے لیے فوج لے کر خود روانہ ہوئی۔ حاکمِ لاہور کو مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوئی اور اس نے بغیر جنگ کے اطاعت قبول کر لی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ملک اختیار الدین التونیہ حاکم بھٹنڈہ نے عَلَمِ بغاوت بلند کیا۔ ملکہ اس کی سرکوبی کے لیے لشکر لے کر دلی سے چلی۔ ایک روایت کے مطابق اسے شکست ہوئی اور وہ گرفتار کر لی گئی۔ دوسری روایت کے مطابق سازشیوں نے اس کے خیمے پر شب خون مارا اور اسے گرفتار کر کے ملک التونیہ کے سپرد کر دیا۔ دوسری طرف دِلی میں مخالف ترک امراء نے یاقوت کو قتل کر کے رضیہ سلطان کے بھائی معز الدین بہرام کو تختِ شاہی پر بٹھا دیا۔ یہ واقعہ رمضان ۶۳۶ھ کا ہے۔ اُدھر ملک التونیہ نے رضیہ سلطانہ سے شادی کر لی۔ پھر دونوں لشکر لے کر کھوئے ہوئے تخت کی بازیابی کے لیے دِلی کی طرف روانہ ہوئے مگر کیتھل کے قریب معز الدین بہرام شاہ کی فوج سے شکست کھائی۔ دوسرے دن اس کے حکم سے ملک التونیہ اور رضیہ دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ (۲۷ رمضان المبارک ۶۴۰ھ) اور وہیں دفن کر دیا گیا۔ بعد میں رضیہ سلطان کے چھوٹے بھائی سلطان ناصر الدین محمود نے دونوں کی قبروں پر ایک خوبصورت مقبرہ تعمیر کرایا جو آج بھی کیتھل (ضلع کرنال مشرقی پنجاب بھارت) میں کھنڈر

کی صورت میں موجود ہے۔ اس سے ملحق ایک مسجد کے بھی کچھ آثار باقی ہیں۔

رضیہ سلطان کی موت کا ایک اور قصہ بھی بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ ملک التونیہ تو قتل کر دیا گیا لیکن رضیہ جان بچا کر جنگل میں چھپ گئی۔ جب بھوک پیاس نے تنگ کیا تو ایک دہقان سے کھانے کو کچھ مانگا۔ تھوڑی سی روٹی کھا کر وہ ایک درخت کے سائے میں لیٹ کر سو گئی۔ اس وقت مردانہ لباس پہنے ہوئے تھی لیکن نیند کی حالت میں کپڑے ادھر اُدھر کھسکے تو دہقان کو معلوم ہو گیا کہ وہ مرد نہیں بلکہ عورت ہے، اس نے زیوروں کے لالچ میں اسے سوتے میں قتل کر ڈالا اور وہیں دفن کر دیا۔ جب وہ زیورات فروخت کرنے شہر گیا تو پکڑا گیا۔ پوچھ گچھ پر اس نے سارا واقعہ بتا دیا۔ چنانچہ ملکہ کی نعش کو وہاں سے نکال کر دلی کے قریب دریائے جمنا کے کنارے دفن کیا گیا۔ یہ قبر اب بھی موجود ہے اور لوگ اسے "رجی کی درگاہ" کہتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ملکہ رضیہ سلطان کا دورِ حکومت صرف تین سال اور تین ماہ پر محیط ہے! اس مدّت کا بیشتر حصہ انتشار کی حالت میں گزرا پھر بھی اس کے دورِ حکومت کے کئی خوشگوار واقعات تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ بڑی باتدبیر، زیرک، بہادر، انصاف پسند، خوش اخلاق، اور علم دوست خاتون تھی۔ حنفی المسلک اور علماء و صوفیہ کی بڑی عقیدت مند اور قدردان تھی۔ اس نے متعدد مدرسے قائم کیے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلفاء کی تبلیغِ اسلام میں اعانت کی۔ اس نے مہرولی میں اپنے والد کا شاندار مقبرہ بھی تعمیر کرایا۔

طبقاتِ ناصری کے مصنف مولانا منہاج سراج نے اس کو "عالم نواز" (یعنی علماء فضلاء کی قدردان) کا خطاب دیا ہے۔

ملکہ رضیہ سلطان کو شعر و سخن کا بھی عمدہ ذوق تھا وہ فارسی کی نغز گو شاعرہ تھی اور شیریں تخلص کرتی تھی۔ تذکروں میں اس کے یہ چند اشعار محفوظ ہیں:

غلطیدن نور رُخ خورشید ازیں چہ
بسمل شدۂ تیغ نگاہ غضب ماست

از ماست کہ بر ماست چہ تقصیر دلِ زار
آں کشتۂ انداز غم بے سببِ ماست

در دہانِ خود دارم عندلیبِ خوش الحاں
پیشِ من سخن گویاں زاغ در دہن دارند

کنم بحرکتِ پا چرخ تختِ سلطانی
دہم ببالِ ہُما خدمتِ مگس رانی

باز آ شیریں، منہ در راہِ الفت گام خویش
ہاں و لے نشنیدہ باشی قصۂ فرہاد را

(طبقاتِ ناصری۔ مشاہیرِ نسواں۔ ناموران عالم،
دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۰،
"نگار" لکھنؤ پاکستان نمبر جنوری فروری ۱۹۴۸ء،
سیارہ ڈائجسٹ لاہور مارچ ۱۹۸۰ء،
خواتینِ اسلام کی بہادری)

بی بی حافظہ جمالؒ

حضرت خواجۂ خواجگان معین الدین حسن سجزی چشتی اجمیریؒ[1] (وفات ۶۳۳ھ) کی دخترِ نیک اختر تھیں۔ وہ بی بی امۃ اللہؒ کے بطن سے تھیں۔ بی بی حافظہ جمالؒ نہایت پارسا، دائم الصوم اور قائم اللیل خاتون تھیں۔ وہ اپنے والد گرامی کی مرید تھیں۔ ان کو خواجۂ خواجگانؒ نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ خواتین کی اصلاح و ہدایت پر توجہ دیں۔ چنانچہ بی بی حافظہ جمالؒ اپنے وقت کا بیشتر حصہ خواتین کو تعلیم دینے میں صرف کرتی تھیں ان کی وجہ سے ہزاروں

---

[1] سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ برِ کوچک پاک و ہند میں سلسلۂ چشتیہ کے موسس ہیں۔ نجیب الطرفین سید تھے۔ ۵۳۷ھ ہجری میں قصبہ سجز (خراسان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والدین سے حاصل کی۔ ابھی عنفوانِ شباب تھا کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ وراثت میں معقول جائداد ملی لیکن ایک بزرگ ابراہیم قندوزیؒ کی توجہ سے دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہو گئے اور اس دور کے ایک عالم مولانا حسام الدین بخاریؒ سے جملہ علوم دینی کی تعلیم حاصل کی ساتھ ہی قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی بیعت کی۔ کچھ مدت ان کے پاس رہے جب انہوں نے خرقۂ خلافت عطا کیا تو کئی سال تک مختلف ممالک کی سیر و سیاحت میں مشغول رہے۔ ۵۶۱ھ میں اجمیر تشریف لائے اور یہیں باقی ساری عمر تبلیغ اسلام کرتے ہوئے گزار دی۔ ان کی تبلیغی مساعی سے لاکھوں لوگوں کی ہدایت نصیب ہوئی۔ ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔ اجمیر میں ان کا عظیم الشان مزار اور اس سے متعلقہ عمارتیں تعمیری نقطۂ نگاہ سے منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔

خواتین کو نہ صرف ہدایت نصیب ہوئی بلکہ ان میں سے بہت سی بیبیوں نے اللہ سے لو لگا کر عارفات میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔

بی بی صاحبہؒ کی شادی شیخ رضی الدینؒ سے ہوئی۔ وہ مدت العمر اجمیر میں رہیں اور وہیں وفات پائی۔ ان کا مزار خواجۂ خواجگانؒ کے مزار کے قریب ہے۔ (تذکرہ اولیائے ہند)

بی بی مونسہؒ

مصر کے فرمانروا الملک العادل (برادر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ متوفی ۵۸۹ھ) کی صاحبزادی تھی۔ نہایت عالمہ اور فاضلہ تھی۔ اس کی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے دنیائے اسلام میں اسے "جلیلہ سلطانیہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

(مشاہیر النساء)

خانزادہ گردوں چین

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ (۶۱۷ھ تا ۶۲۸ھ) کی بیوی تھی۔ بڑی انصاف پسند اور مخیّر خاتون تھی۔ خود بھی خدا پرست اور خداشناس تھی اور لوگوں کو بھی نیک بننے اور ہمیشہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کیا کرتی تھی۔ بلادِ فارس میں اس نے بے شمار مسجدیں، مدرسے، خانقاہیں اور صوامع تعمیر کرائے اور رعایا کے ہر طبقے کی بلا تفریق مذہب و ملت خدمت کی۔ (روضۃ الصفا)

بی بی شیریںؒ بنتِ عبداللہ ہندیہ

چھٹی / ساتویں ہجری کے ایک نامور محدّث امام ابنِ بندیخیؒ کی مولاۃ تھیں۔ وطنِ مالوف ہند تھا۔ وہ اپنے محدّثانہ اور عالمانہ جاہ وجلال کی وجہ سے موالی و ممالیک علماء میں ممتاز مقام و مرتبہ رکھتی ہیں۔ ایک زبردست محدّث کی مولاۃ ہونے کی بنا پر علم و فضل سے خاص نسبت رکھتی تھیں۔ انہوں نے بڑی محنت سے علمِ حدیث کی تحصیل کی ــــ اور عبدالمنعم بن کلیب سے حدیث کی سماعت کی۔ پھر خود مسندِ درس بچھائی اور اور بے شمار لوگوں کو اپنے فیضانِ علمی سے بہرہ یاب کیا۔

ان کے ارشد تلامذہ میں علامہ ابرقوہیؒ اور ابوالفتح مُرتَبِن حاجب کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ علامہ ابرقوہیؒ ان کے خاص الخاص شاگرد تھے اس لیے وہ "شیختہ الابرقوہیؒ" کے لقب سے مشہور ہوئیں۔

بی بی شیریںؒ نے ۶۴۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

(خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان
از قاضی اطہر مبارکپوری
بحوالہ حاشیہ الاکمال ج ۴ ص ۴۱۲)

بی بی ستّ الامناءؒ

شیخ سعدالدین اسعد بن عثمان بن اسعد بن منجاح کی صاحبزادی تھیں۔ علمِ حدیث میں یگانۂ روزگار تھیں۔ انہوں نے یہ علم اپنے جدِ بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔ ۷۰۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

بی بی فاطمہ صائمہؒ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ[1] کے دامنِ ارادت سے وابستہ تھیں اور شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ (مرید و خلیفہ خواجہ بختیار کاکیؒ) کی دینی بہن تھیں۔ نہایت عابدہ و زاہدہ تھیں۔ روزے بہت کثرت سے رکھتی تھیں اس لیے صائمہ (روزے رکھنے والی) مشہور ہو گئی تھیں۔ اپنی بیٹی کی طرح بابا فریدؒ ان کی بابت بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر عورت خلافت کی اہل ہوتی تو میں فاطمہ صائمہ کو اپنی خلافت دیتا۔ وہ سوت کات کر اپنی روزی پیدا کرتی تھیں۔ انہوں نے سوت کات کر اپنے مرشد خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار کا غلاف تیار کیا تھا۔ یہ غلاف اب تک محفوظ ہے اور عید بقر کے دن خواجہ صاحبؒ کے مزار پر چڑھایا جاتا ہے۔

۱۸؍ شعبان ۶۹۶ھ ہجری کو وفات پائی۔ مزار پرانی دِلّی میں ہے۔

(مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات)

---

[1] حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ چھٹی صدی ہجری کے وسط میں ماوراءالنہر کے ایک قصبے اوش میں پیدا ہوئے۔ ابھی ڈیڑھ برس کے تھے کہ والد ماجد سید کمال الدینؒ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ نے نہایت محبت اور توجہ سے ان کی پرورش کی۔ جب ذرا بڑے ہوئے تو ان کو مولانا حفصیؒ کا شاگرد بنا دیا۔ انہوں نے چند سال کے اندر اندر ہونہار شاگرد کو ایک جید عالم بنا دیا۔ سترہ سال کی عمر میں خواجہ قطب الدینؒ نے حضرت خواجہ اجمیریؒ کی بیعت کی اور عرصہ تک ان کی خدمت میں رہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے پھر بہت سے ملکوں کی سیر و سیاحت کی۔ جب مرشد کے ہندوستان چلے جانے کی خبر سنی تو وہ بھی ہندوستان آ گئے اور مرشد کے حکم کے مطابق دہلی میں مستقل قیام فرمایا اور دمِ آخر تک ہدایتِ خلق میں مشغول رہے۔

۱۴؍ ربیع الاول ۶۳۳ھ ہجری کو وفات پائی۔ ان کا مزار دِلّی کی مشہور زیارت گاہوں میں ہے۔ لقب کاکیؒ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ سخت عسرت کے دنوں میں انہوں نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ حجرہ کے طاق میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر ہاتھ ڈالا کرو وہاں سے تمہیں بقدرِ ضرورت کاک (میٹھی روٹیاں) مل جایا کریں گی۔ چنانچہ مدت تک خواجہ صاحبؒ کا کنبہ اسی خدائی عطیہ پر بسر اوقات کرتا رہا۔

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے کچھ مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں: بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ۔ سلطان التمشؒ۔ شیخ بدرالدین غزنویؒ۔ قاضی حمیدالدین ناگوریؒ۔ شیخ بہاءالدین غزنویؒ۔ شیخ نجم الدین قلندرؒ۔ شیخ صوفی بدھنی۔ مولانا برہان الدین بلخیؒ۔

ملکہ قُتلُغ خاتون

کرمان کے تیسرے قُتلُغ خانی حکمران قطب الدین محمد (۶۵۰ھ تا ۶۵۵ھ) کی بیگم تھی[1]۔ بڑی زیرک اور بیدار مغز خاتون تھی۔ رموزِ سلطنت پر اس کو ماہرانہ عبور حاصل تھا۔ ۶۵۵ھ میں اس کے شوہر قطب الدین محمد نے وفات پائی تو عمائدِ سلطنت نے بالاتفاق اس کو شوہر کی جگہ کرمان کے تخت حکومت پر بٹھایا۔ اس نے ۶۵۵ھ سے ۶۸۱ھ تک پورے چھبیس سال تک کرمان پر بالاستقلال حکومت کی۔ اس کی وفات کے بعد ۶۸۱ھ میں جلال الدین سیورغا تمش اس کا جانشین ہوا۔ (سٹینلے لین پول)

*

---

[1] قُتلُغ خانی خاندان کرمان پر ۶۱۹ھ سے ۷۰۳ھ / ۱۲۲۲ء–۱۳۰۳ء تک پورے ۸۵ سال حکمران رہا۔ اس کا بانی براک حاجب تھا۔ وہ قرہ خطائی کا رہنے والا تھا اور علاؤالدین محمد خوارزم شاہ (۵۹۶ھ تا ۶۱۷ھ) کی فوج میں افسر تھا۔ جب چنگیز خان کے حملہ کے بعد خوارزم شاہی حکومت کا خاتمہ ہوگیا تو براک حاجب نے ۶۱۹ھ میں کرمان پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اسے تاتاری فرمانرواؤں نے بھی تسلیم کر لیا، اور براک حاجب کو قُتلُغ خان کا خطاب عطا کیا۔ اس خاندان کی حدودِ حکومت کرمان سے آگے نہ بڑھ سکیں اور وہ ہمیشہ فارس کے مغلوں کا تابع رہا۔ براک حاجب قُتلُغ خان نے تیرہ سال حکومت کی اس کے بعد رکن الدین خوجۃ الحق تخت نشین ہوا۔ اس کی وفات (۶۵۰ھ) کے بعد قطب الدین محمد نے حکومت سنبھالی۔ (نگار "فرمانروایانِ اسلام نمبر")

بی بی اسماء شامیہؒ

دمشق کے ایک نامور سردار محمدؒ بن حصری کی صاحبزادی تھیں۔ انہوں نے اپنے وقت کے کئی نامور علماء سے علم حدیث حاصل کیا۔ نامور محدث مکی بن علان سے بھی حدیث کی چند کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد خود مسندِ درس پر بیٹھیں اور مدتِ دراز تک درس و تدریس میں مشغول رہیں۔ زندگی میں بارہا حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ دستِ سخاوت بہت کشادہ تھا۔ اپنا مال بے دریغ راہِ خدا میں لٹاتی رہتی تھیں۔

ذی الحجہ ۶۳۲ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان کے ایک بھائی اور ایک بیٹے کا شمار بھی شام کے مشاہیر میں ہوتا تھا۔

ایک مشہور شاعر ابن الوردی نے بی بی اسماءؒ کی شان میں یہ شعر کہے ہیں:

کذالک فلتکن اخت بن حصری	اے ابن حصری کی بہن
تفوق علی النسا صبیی و شیبا	تو طفولیت اور بڑھاپے میں عورتوں پر سبقت لے گئی۔
طراز القوم انثی مثل ھذا	ایسی ہی عورت قوم کا زیور ہوتی ہے۔ اور
وما التانیث لاسم الشمس عیبا	آفتاب (شمس) میں تانیث کوئی عیب نہیں۔

(تذکرۃ الخواتین)

بی بی اولیاؒ

یہ عارفہ خاتون ساتویں صدی ہجری میں گزری ہیں۔ ان کا مسکن شہر دلّی تھا۔ نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ اکثر چالیس چالیس دن مسلسل اپنے حجرے کے اندر مصروفِ عبادت رہتی تھیں اور اس عرصے میں نہایت قلیل غذا پر گزارہ کرتی تھیں۔ بادشاہِ وقت سلطان محمدؒ تغلق ان کا عقیدتمند تھا۔ (خزینۃ الاصفیاء)

بی بی فاطمہؒ بنتِ ابراہیمؒ

ساتویں صدی ہجری کی سرآمدِ روزگار فاضلہ ہوئی ہیں۔ ۶۲۵ھ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد ابراہیم بن محمود بن جوہر نہایت دانا اور فاضل آدمی تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو نہایت اعلیٰ تعلیم دلائی اور ان کو اس دور کے بڑے بڑے علماء سے استفادہ کا موقع بہم پہنچایا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر بی بی فاطمہؒ نے خود درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چند ہی سالوں میں مشرق سے مغرب تک ان کے کمالاتِ علمی کی شہرت ہو گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ علامہ شیخ تقی الدین سبکیؒ، ابنِ ابی الحسنؒ، ابنِ لکویکؒ اور شیخ ذہبیؒ جیسے فضلائے زمانہ ان کی درسگاہ میں حاضر ہوئے اور ان سے احادیث سنیں۔

بی بی فاطمہؒ بنتِ ابراہیم نے ۷۱۱ھ ہجری میں وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

بنتِ خداویردی

ساتویں صدی ہجری میں بے مثل کاتبہ ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بغیر ہاتھوں کے پیدا کیا تھا لیکن پیدائشی لنجی ہونے کے باوجود اس نے اپنے پاؤں سے کتابت سیکھی اور اس میں ایسا کمال حاصل کیا کہ لوگ اس کی خوش خطی کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہو جاتے تھے۔ ۶۲۴ھ ہجری میں اسکندریہ آئی تو لوگ اس کے کمالِ فن کو دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑے اور اس کو مالا مال کر دیا۔ وزیرِ مصر نے بھی اس کو ملاقات کے لیے بلایا اور اس کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس باکمال خاتون کا مقبرہ ابھی تک اسکندریہ میں موجود ہے اور اس کے ساتھ کچھ زمین بھی وقف ہے۔ (تذکرۃ الخواتین)

بی بی قرسم خاتونؒ

مولانا وجیہ الدین خجوندیؒ کی صاحبزادی، شیخ جمال الدین سلیمانؒ کی اہلیہ اور شیخ الشیوخ عالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ[1] کی والدہ ماجدہ تھیں۔ نہایت عابدہ زاہدہ اور مستجاب الدعوات خاتون تھیں۔ اکثر تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ کثرت عبادت کی بدولت ان کو درجۂ ولایت حاصل ہو گیا تھا۔ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رات کو بی بی قرسم خاتون نمازِ تہجد میں مشغول تھیں کہ ایک چور گھر میں گھس آیا۔ بی بی صاحبہؒ کی نظر اس پر پڑی تو وہ فوراً نورِ بصارت سے محروم ہو گیا۔ اب اس نے گریہ وزاری شروع کر دی اور کہنے لگا، جس نیک بخت کی دہشت اور بد دعا سے میری بینائی سلب ہوئی ہے، میں اس سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میری بینائی پھر واپس آ

---

[1] حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ برِ کوچک پاک و ہند میں سلسلۂ چشتیہ کے موسسِ ثانی اور پنجاب میں موسسِ اوّل ہیں۔ وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ سلسلۂ نسب بیس واسطوں سے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔ ۵۶۹ھ سے ۵۸۴ھ کے درمیان کسی وقت قصبہ کھوتوال (چاولے مشائخ) میں پیدا ہوئے۔ جملہ دینی علوم کی تحصیل و تکمیل ملتان جا کر وہاں کے اکابر علماء سے کی۔ اس کے بعد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ پھر مرشد گرامی کے ارشاد کے مطابق طویل عرصے تک مختلف دیار و امصار کی سیاحت میں مشغول رہے۔ اثنائے سیاحت میں اس دور کے بہت سے اکابر اولیاء و علماء سے ملاقات کی اور ان سے کسب فیض کیا۔ سیاحت سے واپس آ کر مرشدِ گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آجائے تو میں عمر بھر چوری نہ کروں گا۔

بی بی صاحبہؒ کو اس کی گریہ وزاری اور فریاد پر رحم آگیا۔ انہوں نے اس کی بینائی کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور چور کی بصارت عود کر آئی۔ اسی وقت بی بی صاحبہؒ کے قدموں پر گر پڑا۔ معافی کا خواستگار ہوا اور توبہ کر کے رخصت ہوا۔ صبح کو اپنے اہل وعیال کے ہمراہ بی بی صاحبہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اہل وعیال سمیت مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ بی بی صاحبہؒ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا۔ اس نے قبولِ اسلام کے بعد کثرتِ مجاہدات و ریاضات کی بدولت درجۂ ولایت حاصل کیا۔ اسے بی بی صاحبہؒ کے خاندان کی طرف سے چاول لے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خرقۂ خلافت عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ ہانسی جا کر اسلام کی تبلیغ واشاعت کرو۔ چنانچہ بابا صاحب ہانسی تشریف لے گئے۔ مرشدؒ کی وفات (۶۳۳ھ) کے بعد دہلی پہنچے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کر کے پھر ہانسی چلے گئے۔ ایک دن خواب یا مراقبہ کی حالت میں مرشد کی طرف سے اجودھن (پاک پتن) میں مستقل قیام کرنے کا اشارہ ہوا۔ چنانچہ وہ اجودھن تشریف لائے اور باقی ساری زندگی اسی قصبے میں گزار دی۔ ان کی تبلیغی مساعی سے لاکھوں بندگانِ خدا کو ہدایت نصیب ہوئی اور اجودھن (پاک پتن) کی سرزمین رشکِ آسمان بن گئی۔

حضرت بابا صاحبؒ نے باختلافِ روایت ۶۶۰ھ اور ۶۷۰ھ کے درمیان کسی وقت وفات پائی۔ ان کا عظیم الشان مزار پاک پتن میں واقع ہے۔ بابا صاحبؒ کے چند مشہور خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ۔ خواجہ بدرالدین اسحاقؒ۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ۔ مخدوم علاؤالدین احمد صابر کلیریؒ۔ امام علی الحق سیالکوٹیؒ۔ شیخ زکریا سندھیؒ شیخ منتخب الدین زری زر بخشؒ۔ شیخ علی شکر ریزؒ۔ شیخ برہان الدین محمودؒ۔ شیخ شہاب الدین بلخیؒ۔ شیخ جمال کابلیؒ۔

مشائخ کا لقب عطا ہوا اور قصبہ کھوتوال (شیخ جمال الدین سلیمانؒ کی جائے سکونت) اسی کے نام پر چاولے مشائخ مشہور ہو گیا۔

بی بی قرسم خاتونؒ کے بچے ابھی کم سن ہی تھے کہ ان کے شوہر نے وفات پائی۔ بی بی صاحبہ نے بڑی ہمت اور حوصلے سے کام لیا اور اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت بڑے اہتمام سے کی۔ شیخ فریدالدین مسعودؒ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کر چکے تھے۔ والدہ نے مزید تعلیم کے لیے ملتان بھیج دیا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر کھوتوال واپس آئے تو بی بی قرسم خاتونؒ بیحد خوش ہوئیں اور انہیں بہت دعائیں دیں۔

حضرت بابا فریدالدینؒ نے جب اجودھن (پاک پتن) میں توطن اختیار کیا تو کچھ عرصہ بعد انہوں نے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل[۱] کو وہاں

---

[۱] حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے حقیقی برادرِ خورد تھے۔ وہ بابا صاحبؒ ہی کے مرید تھے اور انہی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ خرقۂ خلافت پانے کے بعد مرشدِ گرامیؒ کے حکم سے دہلی جا کر قیام پذیر ہو گئے اور مخلوقِ خدا کی اصلاح و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ کبھی کبھی بابا صاحبؒ کی زیارت کے لیے پاک پتن بھی چلے جاتے تھے۔ عبادت و ریاضت میں کمال انہماک تھا۔ اکثر ایک بند حجرے میں یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ جلد ہی ان کے کمالات کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی اور مخلوقِ خدا کسبِ فیض کے لیے ان کے آستانے پر ٹوٹ پڑی۔ زہد و قناعت کا یہ عالم تھا کہ کئی کئی دن گھر میں چولھا نہ جلتا تھا اور وہ محض پانی پی کر وقت گزار لیتے تھے۔

شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے دہلی ہی میں وفات پائی اور وہیں ان کی ابدی آرام گاہ بنی۔ اس وقت بابا صاحبؒ حیات تھے۔ تاریخِ وفات کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔

سے کھوتوال بھیجا کہ والدہ ماجدہ کو اجودھن لے آئیں۔ وہ کھوتوال پہنچے اور بی بی صاحبہ کو اجودھن جانے کے لیے رضامند کر لیا ـــــ چنانچہ انہوں نے ضعیف العمر والدہ کو گھوڑی پر بٹھایا اور خود پیادہ اجودھن کی طرف روانہ ہوئے۔ کھوتوال اور اجودھن کے راستے میں ایک مہیب جنگل تھا جس میں شیر چیتے اور دوسرے خونخوار جانور بکثرت تھے۔ جب شیخ نجیب الدینؒ اس جنگل کو عبور کر رہے تھے، والدہ محترمہ کو سخت پیاس لگی۔ شیخ نے انہیں ایک درخت کے نیچے بٹھایا اور خود پانی کی تلاش میں نکلے۔ بہت دیر کے بعد پانی لے کر واپس آئے تو اس درخت کے نیچے کچھ بھی نہ تھا۔ دیوانہ وار والدہ ماجدہ کو آوازیں دیں لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ پریشان ہو کر ان کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑنے بھاگنے لگے لیکن والدہ کا کوئی سُراغ نہ ملا۔ آخر مایوس ہو کر نہایت مغموم و محزون باباصاحبؒ کی خدمت میں اجودھن پہنچے اور سارا ماجرا آپ کو سنایا۔ انہوں نے چند آدمی شیخ نجیب الدینؒ کے ساتھ والدہ ماجدہ کی تلاش کے لیے جنگل میں بھیجے لیکن وہ بھی مایوس واپس آئے۔ اب باباصاحبؒ رضائے الٰہی پر شاکر ہو گئے اور فرمایا:

"مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور فقراء کو صدقہ دو۔"

یہ واقعہ ۶۴۳ھ ہجری کا ہے۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے روایت ہے کہ اس سانحہ کے بعد شیخ نجیب الدین متوکلؒ پھر اس جنگل میں گئے تو ان کو ایک جگہ کچھ انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی ملیں۔ یہ جگہ اس درخت کے نواح میں تھی جس کے نیچے وہ والدہ مخدومہ کو بٹھا کر گئے تھے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ کسی درندے نے والدہ محترمہ کو شہید کر ڈالا اور یہ ہڈیاں انہیں کی ہیں۔ چنانچہ یہ ساری ہڈیاں جمع کر کے اپنے خریطے میں ڈال لیں اور باباصاحبؒ کی خدمت میں پہنچ کر ان ہڈیوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا:

"یہ ہڈیاں میرے مصلّے پر ڈال دو۔"
شیخ نجیب الدین رحؒ نے خریطہ کھولا تو اس میں سے کوئی ہڈی برآمد نہ ہوئی حالانکہ اس سارے عرصہ میں انہوں نے خریطے کو اپنے پاس بحفاظتِ تمام رکھا تھا۔ سب نے اس کو اللہ تعالیٰ کا بھید سمجھا اور شیوۂ تسلیم و رضا اختیار کیا۔ (تاریخ فرشتہ، تذکرہ اولیائے ہند، خزینۃ الاصفیا)

بی بی شریفہؒ

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن ہمیشہ راضی برضائے الٰہی رہیں۔ بعض تذکروں میں ہے کہ وہ جوانی میں بیوہ ہوگئی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے جوانی میں وفات پائی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ بی بی شریفہؒ باباصاحبؒ کے بھانجے مخدوم علی احمد صابر کلیریؒ کے نکاح میں تھیں۔ باباصاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر عورت خلافت کی اہل ہوتی تو بی بی شریفہؒ اس کی مستحق تھی اور میں خلافت وسجادہ اسی کو دیتا۔ (تذکرہ اولیائے ہند۔ اخبار الاخیار)

بی بی زمرّد محدّثہؒ

ساتویں صدی ہجری میں مشہور محدّثہ گزری ہیں۔ ان کے تبحرِ علمی کی سارے مصر، عراق، شام اور حجاز میں شہرت تھی۔ ان کے شوہر اُس دَور کے نامور عالمِ دین مولانا اثیر الدینؒ تھے۔ (مشاہیر النساء)

بی بی فاطمہ سامؒ

بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی ہم عصر تھیں۔ انہوں نے بابا صاحبؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کو اپنا منہ بولا بھائی بنا رکھا تھا۔ بہت عابدہ زاہدہ اور مخیرؒ خاتون تھیں۔ انہیں جب کبھی معلوم ہوتا کہ شیخ نجیب الدین متوکل پر پیغمبری وقت آن پڑا ہے اور ان پر فاقے گزر رہے ہیں تو وہ ایک من کلچے پکواتیں اور ان کے گھر بھجوا دیتی تھیں۔ وہ اس تحفہ کو بمنت قبول فرماتے تھے۔ بابا فریدالدین مسعودؒ فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہ سام گو عورت ہے لیکن دو مرد ولیوں کے برابر ہے۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ہے کہ میں نے بی بی فاطمہ کو دیکھا ہے نہایت پاک دامن اور ضعیف العمر خاتون تھیں، اکثر اشعار حسبِ حال کہتی تھیں۔ چنانچہ یہ ایک شعر ان کا مجھے یاد ہے ؎

ہم عشق طلب کنی وہم جان خواہی
ہر دو طلبی و لے میسّر نشود

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "اخبار الاخیار" میں لکھا ہے کہ:

"فاطمہ سامؒ اپنے زمانے کی صالحات، قانتات اور عارفات میں تھیں۔"

بی بی فاطمہ سامؒ نے ۶۴۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ مزار دہلی میں ہے۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ نے ۶۷۱ھ ہجری میں وفات پائی تو ان کو اپنی منہ بولی بہن بی بی فاطمہ سامؒ کی قبر کے پاس ہی دفن کیا گیا۔

(اخبار الاخیار۔ خزینۃ الاصفیا۔ تذکرہ اولیائے ہند)

بی بی راستی ؒ

حضرت شیخ بہاء الحق بہاؤالدین زکریا [۱] ملتانی ؒ کے فرزند حضرت شیخ صدرالدین [۲] عارف ؒ کی اہلیہ اور حضرت شیخ ابوالفتح رکن عالم رکن الدین [۳] ؒ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ان کا شمار اپنے دور کی عارفاتِ کاملہ میں ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم کی حافظہ اور بے حد عبادت گزار تھیں۔ ان کا معمول تھا کہ ہر

---

[۱] حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی ؒ کا شمار چھٹی / ساتویں ہجری کے عظیم المرتبت اولیائے سہروردیہ میں ہوتا ہے۔ وہ برّکوچک پاک و ہند میں سلسلۂ سہروردیہ کے موسس ہیں۔ سلسلۂ نسب صاحبِ رسول حضرت ہبارؓ بن اسود قرشی تک منتہی ہوتا ہے۔ ولادت باسعادت ۵۷۸ھ ہجری میں ہوئی۔ ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل خراسان و بخارا میں کی اس کے بعد حج کے لیے مکہ معظمہ گئے۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور پانچ سال تک روضۂ نبوی ؐ کی مجاوری کی۔ اس دوران میں شیخ کمال الدین یمنی ؒ سے علمِ حدیث پڑھا اور ان سے اجازہ لے کر بیت المقدس سے ہوتے ہوئے بغداد پہنچے۔ وہاں شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین عمر سہروردی ؒ کی بیعت کی۔ سترہ دن کے بعد انھوں نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور ملتان جانے کا حکم دیا۔ مرشدِ گرامی کے حکم کی تعمیل میں ملتان تشریف لائے اور یہیں ساری زندگی تبلیغِ اسلام میں گزار دی۔ ۶۶۶ھ ہجری میں وفات پائی۔ مزار ملتان میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

[۲] حضرت شیخ صدرالدین عارف، مخدوم بہاؤالدین زکریا ؒ کے صاحبزادے اور جانشین تھے۔ ۶۱۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۶۸۴ھ ہجری میں وفات پائی۔ اپنے والدِ ماجد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ بڑے عالم و فاضل عبادت گزار اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

روز ایک بار قرآن پاک ختم کرتیں۔ اپنے خسر حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کے مریدانِ خاص میں سے تھیں اور اُن سے غیر معمولی عقیدت رکھتی تھیں۔ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کسبِ فیض کرتی تھیں۔

۶۹۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ مزار ملتان میں ہے۔ عام طور پر مردوں کو اس کے اندر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

(خزینۃ الاصفیا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سخی تھے۔ اپنے زمانے کے جلیل القدر اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں۔

۳ھ حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین رکن عالمؒ، حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کے صاحبزادے تھے۔ ولادت باسعادت ۶۴۷ھ میں ہوئی اور وفات ۷۳۵ھ میں علومِ ظاہری کی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی اور خرقۂ خلافت اپنے دادا جان حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ سے حاصل کیا۔ ۳۶ سال کی عمر میں اپنے والدِ گرامی کی مسندِ رُشد و ہدایت پر رونق افروز ہوئے اور باون سال تک مخلوقِ خدا کو فیض یاب کرتے رہے۔ ان کا مزار قلعہ کہنہ میں اپنے دادا جان اور والدِ ماجد کے مزار کے نزدیک واقع ہے۔ یہ مزار افغان طرزِ تعمیر کا شاندار نمونہ ہے۔ اس کی بلندی تقریباً سو فٹ کے قریب ہے۔ اسے سلطان محمد تغلق نے بنوایا تھا۔

بی بی سارہؒ

حضرت شیخ نظام الدینؒ ابو المؤیدؒ (المتوفی ۶۷۳ھ ہجری[1]) کی والدہ تھیں۔ نہایت پاک دامن اور باخدا خاتون تھیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بہت عقیدت رکھتی تھیں۔ انہوں نے ان کو اپنی منہ بولی بہن بنا رکھا تھا۔ وہ صرف عارفہ ہی نہیں تھیں بلکہ بڑی عالمہ فاضلہ بھی تھیں اور علم فقہ میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں۔ ایک دفعہ خشک سالی کی وجہ سے دلّی میں قحط پڑ گیا اور غلّہ اس قدر مہنگا ہو گیا کہ کسی غریب کے لیے اس کا خریدنا ممکن نہ رہا۔ دلّی کے لوگ جمع ہو کر شیخ نظام الدین ابو المؤید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔ شیخؒ منبر پر کھڑے ہوئے اور اپنی آستین سے کپڑے کا ایک ٹکڑا نکالا۔ ایک تار اس میں سے جُدا کیا۔ اور پھر اس تار کو آسمان کی طرف کر کے کہا:

"الٰہی یہ تار اس بزرگ خاتون کے کپڑے کا ہے جس نے ساری عمر کسی نامحرم مرد کی طرف نہیں دیکھا، اس کے طفیل اور بحرمت اُس جذبۂ عبودیت کے جو وہ تیرے ساتھ رکھتی تھی

---

[1] شیخ نظام الدین ابو المؤیدؒ کا شمار ساتویں صدی ہجری کے مشہور اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ فضائلِ صوری و معنوی سے آراستہ تھے۔ شیخ احمد غزنویؒ اور شیخ عبدالواحدؒ سے بھی کسبِ فیض کیا۔
ان کے مواعظ و خطبات بہت پُر تاثیر ہوتے تھے۔ لوگ انہیں سن کر از خود رفتہ ہو جاتے تھے۔ ۶۷۳ھ میں وفات پائی۔

ہمیں بارانِ رحمت سے نواز ورنہ میں جنگلوں میں زندگی بسر کروں گا اور پھر کبھی آبادی میں قدم نہ رکھوں گا۔"

اللہ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا، اسی وقت آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ میدان اور جنگل پانی سے بھر گئے اور سیلاب کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔

لوگوں نے شیخ نظام الدین ابوالمؤیدؒ سے پوچھا: — "حضرت یہ کپڑا کس کا تھا اور کیسا تھا کہ جس کے تار کا واسطہ دے کر آپ نے اللہ سے دعا کی؟"

انہوں نے فرمایا: — "یہ کپڑا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے دامن کا ہے جو انہوں نے میری والدہ کو عنایت فرمایا تھا۔ وہ اس کو اپنے سر پر رکھ کر عبادت کیا کرتی تھیں۔"

بی بی سارہؒ نے ۶۳۸ھ ہجری میں اس دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ ان کا مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار (واقع دلّی) کے متصل ہے۔

(خزینۃ الاصفیا۔ تذکرہ اولیائے ہند)

بی بی فاطمہؒ بنتِ جمال الدینؒ

ان کی کنیت اُمِّ عبداللہ تھی۔ شیخ امام المقری المحدث جمال الدینؒ بن سلیمان بن عبدالکریم بن عبدالرحمٰن انصاریؒ کی صاحبزادی تھیں۔ دمشق اُن کا وطنِ مالوف تھا۔ اپنے نامور والد کی طرح انہوں نے بھی علمِ حدیث میں بڑا بلند مقام حاصل کیا اور اپنی الگ مجلسِ درس قائم کی۔ ۸۰۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

(مشاہیر النساء)

بی بی زلیخاؒ

سلطان المشائخ حضرت خواجہ محمدؒ نظام الدین اولیاءؒ محبوبِ الٰہی کی والدہ[1] ماجدہ تھیں۔ غالباً بدایوں کی رہنے والی تھیں۔ سلطان المشائخؒ نے ابھی عمر کی پانچ ہی بہاریں دیکھی تھیں کہ ان کے والدِ ماجد سیّد احمد رحمۃ اللہ علیہ فوت ہو گئے۔ بی بی زلیخاؒ نے اپنے سرتاج کی وفات پر بڑے صبر اور حوصلہ سے کام لیا اور سوت کات کر اپنے لختِ جگر کی پرورش کرنے لگیں۔ وہ بڑی جلیل القدر خاتون تھیں اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے اپنے وقت کی رابعہ بصریؒ تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد ان پر بے چارگی کا وقت آپڑا لیکن انہوں نے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا نہ کیا۔ سوت کی فروخت سے معمولی آمدنی ہوتی تھی۔ ماں بیٹے اسی میں صبر شکر سے گزارا کر لیتے تھے لیکن کبھی کبھی ان پر فاقہ بھی آجاتا۔ اُس دن بی بی زلیخاؒ سعادت مند بیٹے سے فرماتیں:

"بابا محمدؒ! آج ہم لوگ خدا کے مہمان ہیں۔"

شروع شروع میں نوعمر فرزند والدہ کے ارشاد کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ جب سمجھے تو اس میں لذّت محسوس کرنے لگے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں کئی کئی دن

---

[1] سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا شمار برّ کوچک پاک و ہند کے اولیائے کبار میں ہوتا ہے۔ اسمِ گرامی محمدؒ تھا۔ سلطان المشائخ، نظام الدین اور محبوبِ الٰہی القاب ہیں۔ باختلافِ روایت ۶۲۶ھ یا ۶۳۱ھ یا ۶۳۴ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابھی پانچ سال کے تھے کہ والدِ گرامی سیّد احمدؒ بن سیّد علیؒ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے نہایت نامساعد حالات میں ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ پہلے

(باقی اگلے صفحہ پر)

فاقہ کے انتظار میں رہتا کہ اس دن والدہ صاحبہ مجھ سے فرمائیں ؛

"بابا محمدؒ ہم لوگ آج خدا کے مہمان ہیں"۔

بی بی زلیخاؒ نے صاحبزادے کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی اور ان کو تعلیم کے لیے بدایوں کے نامور عالم مولانا سید علاؤالدین اصولیؒ کے سپرد کیا۔ انہوں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

بدایوں میں پھرا جودھن (پاک پتن) جاکر حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی بیعت کی اور سالہا سال تک ان کی خدمت میں رہ کر کسبِ فیض کیا۔ جب ان کی تربیت پوری ہوگئی تو بابا صاحبؒ نے سندِ خلافت عطا فرمائی اور دِلّی جانے کا حکم دیا۔ مرشدِ گرامی کے ارشاد کی تعمیل میں وہ دِلّی گئے اور شہر سے باہر غیاث پور میں مستقل اقامت اختیار فرمائی۔ یہی جگہ اب بستی نظام الدین اولیاء کہلاتی ہے۔ اس بستی میں محبوبِ الٰہیؒ کی خانقاہ منبعِ رُشد و ہدایت بن گئی اور ان کی تبلیغی مساعی سے ہزاروں کفّار اور فُسّاق و فُجّار کو ہدایت نصیب ہوئی۔ ان کی برکات و فیوض کی بدولت شراب خوری، دروغ گوئی، جوئے بازی، کم تولنے، ملاوٹ کرنے اور اس طرح کی دوسری برائیوں کا نام و نشان مٹ گیا۔ عوام النّاس کا رجحان دین کی طرف ہوگیا اور سلسلہ چشتیہ کو زبردست فروغ حاصل ہوا۔

سلطان المشائخؒ کی خانقاہ کے لنگر سے بے شمار لوگ دونوں وقت کھانا کھاتے تھے اور خانقاہ میں ہر وقت قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں گونجتی رہتی تھیں۔ حضرت سلطان المشائخؒ ساری عمر کسی بادشاہ یا امیر کے آستانے پر نہیں گئے۔ فی الحقیقت وہ اپنے دور کے جُنیدؒ اور بایزیدؒ تھے۔ سلطان المشائخؒ نے ربیع الثانی ۷۲۵ھ میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ شیخ ابوالفتح رکن الدین سہروردی ملتانیؒ نے پڑھائی۔ مزار بستی نظام الدین اولیاءؒ میں مرجع خواص و عوام ہے۔

نے بڑی توجہ اور محبت سے سلطان المشائخ کو تعلیم دی۔ چند سال بعد جب وہ ہی فارغ التحصیل ہو گئے تو بی بی زلیخاؒ نے شہر کے علماء و مشائخ کو بلا کر جلسۂ دستار بندی منعقد فرمایا۔ کچھ عرصہ بعد وہ مزید تعلیم کے لیے والدۂ ماجدہ کو ساتھ لے کر دِلّی تشریف لے گئے۔ دِلّی میں انہوں نے مولانا شمس الدین خوارزمیؒ کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ان سے سندِ فضیلت حاصل کر لی۔ بعض روایات کے مطابق دِلّی میں مولانا کمال الدین زاہدؒ سے بھی استفاضہ کیا اور ان سے "مشارق الانوار" کا درس لیا۔

بی بی زلیخاؒ اپنے پیارے فرزند کا تحصیلِ علم میں انہماک دیکھتی تھیں تو خوش ہو ہو کر انہیں دعائیں دیتی تھیں۔ وہ صاحبِ نسبت اور مستجاب الدعوات خاتون تھیں۔ خشیتِ الٰہی کے غلبہ سے ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ ابھی سلطان المشائخؒ نے اپنی تعلیم مکمل نہیں کی تھی کہ بیمار ہو گئیں۔ بیماری نے اتنی شدت اختیار کی کہ کھانا پینا چھوٹ گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب خالقِ حقیقی کی طرف سے بلاوا آیا ہی چاہتا ہے۔ سلطان المشائخؒ جمادی الاخریٰ کا چاند دیکھ کر سلام کے لیے والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بی بی صاحبہؒ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا:

"میرے بچے آئندہ ماہ کس کے سلام کو آؤ گے اور کس سے دعائیں لو گے۔"

سلطان المشائخؒ بے تاب ہو گئے اور رو کر کہا:

"اماں جان! ہم آپ کے بغیر کیسے جئیں گے"

بی بی صاحبہؒ نے انہیں تسلّی دی اور فرمایا:

"اس وقت جا کر سو رہو، صبح آنا۔"

سلطان المشائخؒ نے رات نہایت بے چینی سے گزاری۔ علی الصّباح والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے محبوب فرزند کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا:

"الٰہی یہ بے کس اب تیرے دامن سے ہے۔" یہ کہا اور جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۶۴۸ھ ہجری کا ہے۔ ان کا مزار دلّی میں شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے مزار کے قریب موجود ہے۔

سلطان المشائخؒ اپنی والدہ کی جلالت قدر کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان کو زندگی میں جب بھی کوئی مہم پیش آتی تو اس کا انجام کار ان کو خواب میں کھل جاتا تھا۔

(خزینۃ الاصفیا)

بی بی اُمّ الخیرؒ ــــــ جمال النّساء

بغداد میں پیدا ہوئیں اور علم و فضل کے اعتبار سے آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکیں۔ ان کے تبحرِ علمی کی وجہ سے لوگ ان کو "جمال النّساء" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ انہوں نے ابن البطی، ابوالمظفر کاغذی اور شجاع الحربی جیسے بلند پایہ علماء سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ پھر خود مسندِ درس بچھائی اور سینکڑوں لوگوں کو حدیث کی تعلیم دی۔

ان سے کسبِ فیض کرنے والوں میں فاطمہؒ بنتِ سلیمان، ابن شحنہؒ، ابن سعدہؒ، اسمٰعیل بن عساکرؒ اور قاضی تقی الدین سلیمانؒ جیسے نامور محدثین کے نام شامل ہیں۔

فضل و کمال کے علاوہ بی بی اُمّ الخیرؒ زہد و اتقا میں بھی بڑی شہرت رکھتی تھیں۔ انہوں نے حج کے لیے بارہا مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ ۶۴۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

(تذکرۃ الخواتین)

آٹھویں صدی ہجری

۱۔ بی بی حبیبہ محدثہؒ ——— (محدثہ)
۲۔ بی بی فاطمہؒ بنتِ ابراہیمؒ ——— (محدثہ)
۳۔ ملکہ دلشاد خاتون (صاحبِ تدبیر، مخیر)
۴۔ بی بی سارہؒ ——— (محدثہ)
۵۔ بی بی فاطمہؒ بنتِ احمد ——— (محدثہ)
۶۔ بی بی اُمِ یوسف فاطمہؒ ——— 〃
۷۔ بی بی حفصہ بنتِ شیریںؒ ——— (عارفہ)
۸۔ تمن آغا بیگم۔ (سخی، خیر خواہ خلق)
۹۔ شہزادی شقراء ——— (خیر خواہ خلق)
۱۰۔ نیلوفر خاتون ——— (مخیر نیک نہاد)
۱۱۔ بی بی ملکہؒ ——— (محدثہ)
۱۲۔ بی بی تغلق آغاؒ ——— (سخی، زیرک)
۱۳۔ بی بی ست العربؒ ——— (عالمہ، معلمہ)
۱۴۔ بی بی جہان خاتون ——— (شاعرہ)
۱۵۔ بی بی حیات ——— (شاعرہ)
۱۶۔ بی بی ست الفقہاءؒ (محدثہ، عارفہ)
۱۷۔ بی بی زینبؒ بنتِ عبدالرحمٰن (محدثہ، عالمہ، معلمہ)
۱۸۔ بی بی فضہؒ ——— (عارفہ)
۱۹۔ بی بی آمنہ بنتِ علیؒ ——— (محدثہ)
۲۰۔ بی بی فاطمہؒ بنتِ احمد ——— (محدثہ)
۲۱۔ بی بی فاطمہؒ بنتِ عمر ——— (〃)
۲۲۔ بغداد خاتون ——— (مدبرہ)
۲۳۔ ستِ حدق ——— (دیندار، مخیر)
۲۴۔ بی بی فاطمہؒ بنت علم الدین البرزانی ۔ (محدثہ)
۲۵۔ بی بی اُمِ عمرؒ ——— (〃)
۲۶۔ بی بی صفیہؒ بنتِ احمد ——— (〃)
۲۷۔ بی بی خدیجہؒ بنتِ احمد ——— (〃)
۲۸۔ بی بی زینبؒ بنتِ احمد کمال الدین (〃)
۲۹۔ بی بی زینب شامیہؒ ——— (〃)
۳۰۔ بی بی تمکنیؒ ——— (عارفہ)
۳۱۔ بی بی جیوندیؒ ——— (〃)
۳۲۔ بی بی عائشہ بنتِ محمدؐؒ ——— (محدثہ)
۳۳۔ بی بی عائشہ عسقلانیؒ ——— (عالمہ، خطاطہ)
۳۴۔ بی بی عائشہ بنت شمس الدین ۔ (محدثہ)
۳۵۔ بی بی آملکؒ ——— (〃)
۳۶۔ ملکہ عارفہ ——— (عارفہ، شاعرہ)
۳۷۔ بی بی اُمِ الحسنؒ ——— (محدثہ)

بی بی حبیبہ محدّثہ رح

حبیبہ رح بنت عبدالرحمٰن بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل بن منصور مقدسی۔
آٹھویں صدی ہجری میں یگانۂ روزگار محدثہ گزری ہیں۔ علمِ حدیث انہوں نے شیخ تقی الدین رح بن ابی الفہم البلدانی اور خطیب مروان سے حاصل کیا اور دوسرے علوم متداولہ ابراہیم بن خلیل رح سے حاصل کیے۔ مذکورہ اساتذہ کے علاوہ انہوں نے اسکندریہ کے محدث سبط حافظ سلفی رح بغداد کے محدث ابراہیم بن ابی بکر الزعبی رح اور فضل اللہ بن عبدالرزاق رح سے بھی اجازہ حاصل کیا۔ تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور زندگی کا بیشتر حصہ اسی مقدس کام میں گزرا۔ ان کا حافظہ غضب کا تھا سینکڑوں طویل حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ ان سے بڑے بڑے علماء نے حدیث کا علم حاصل کیا۔ ان میں علامہ صلاح الدین الصفدی رح جیسے شہرۂ آفاق عالم بھی شامل تھے۔ انہوں نے ۷۲۸ھ میں بی بی حبیبہ رح سے حدیث کا اجازہ حاصل کیا تھا۔ اس کا ذکر انہوں نے اپنی تصنیف "اعیان العصر واعوان النصر" میں بھی کیا ہے۔
بی بی حبیبہ رح نے شعبان ۷۳۳ھ میں وفات پائی۔ (مشاہیر نسواں)

بی بی فاطمہ رح بنتِ ابراہیم

بی بی فاطمہ رح بنت ابراہیم آٹھویں صدی ہجری میں نامور محدثہ گزری ہیں۔ علم و فضل اور زہد و عبادت میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھیں۔
۷۴۱ھ ہجری میں وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

ملکہ دلشاد خاتون

تمرتاش بن امیر چوپان کی بیٹی تھی۔ اس کی شادی فارس و عراق کے الک خانی (جلیری) حکمران شیخ حسن ایلکانی معروف بہ شیخ حسن بزرگ (۷۳۶ھ تا ۷۵۷ھ) سے ہوئی۔ اس کا بیٹا شیخ اویس (۷۵۷ھ تا ۷۷۶ھ) مشہور بادشاہ ہوا ہے۔ تبریز، آذربائیجان، موصل اور دیار بکر جو اس کے والد کی سلطنت میں شامل نہیں تھے وہ بھی اس نے فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیے۔ مشہور شاعر خواجہ سلمان ساوجی نے اس کی مدح میں کئی قصائد منظم کیے ہیں۔

دلشاد خاتون کو اپنے شوہر شیخ بزرگ کے زمانے میں بڑا اقتدار حاصل تھا۔ وہ بڑی صاحبِ تدبیر اور دانا خاتون تھی، اور ملک کے تمام انتظامی و سیاسی امور پر پوری طرح حاوی تھی۔ رعایا کی بے حد خیر خواہ تھی اور غریبوں مسکینوں کی دل کھول کر مدد کرتی تھی اسی لیے اس کا نام بڑی عزت و احترام سے لیا جاتا تھا۔

اس نیک دل ملکہ نے ۷۵۲ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ اس کی نعش کو نجفِ اشرف لے جا کر دفن کیا گیا۔ (تذکرۃ الخواتین)

بی بی سارہؒ

آٹھویں صدی ہجری میں شہرۂ آفاق محدثہ گزری ہیں۔ شیخ تقی الدین السبکی کی صاحبزادی تھیں مشہور محدثہ رجبؒ بنتِ شہاب الدین احمد قلیجی (ولادت ۸۰۰ھ وفات ۸۶۹ھ) ان کی پوتی اور شاگرد تھیں۔ (ان کے حالات الگ بیان کیے گئے ہیں) (مشاہیرِ نسواں)

بی بی فاطمہؒ بنتِ احمدؒ

شہاب الدین احمدؒ بن قاسم بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر الجزائری کی صاحبزادی تھیں۔ علمِ حدیث میں یگانۂ روزگار تھیں۔ خود ان کے بھائی صفی الدین نے جو اپنے عہد کے بے مثل عالم تھا، ان سے اکتسابِ فیض کیا اور عرصہ تک ان کے درس میں شریک ہوئے۔ بی بی فاطمہؒ نے ۷۸۳ھ میں وفات پائی۔

(مشاہیر النساء)

اُمِّ یوسف فاطمہؒ

بی بی اُمِّ یوسف فاطمہؒ شام کی نامور محدثہ ہوئی ہیں۔ محمدؒ بن عبدالہادی بن عبدالحمید کی صاحبزادی تھیں۔ انہوں نے "صالحیہ" میں اپنی درسگاہ قائم کی تھی۔ اس میں ابن محرزؒ جیسے عالم اور فاضل اصحاب حاضر ہوئے اور اُمِّ یوسفؒ سے حدیث کے سبق پڑھے۔ (سالِ وفات کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔) مشاہیر النسا

بی بی حفصہؒ بنتِ شیرینؒ

حضرت خواجہ محمدؒ شیرینؒ المتوفی ۸۰۳ھ کی ہمشیرہ تھیں جس طرح خواجہ محمدؒ شیرینؒ کا شمار اپنے دور کے مشہور اولیاء اللہ میں ہوتا ہے اسی طرح بی بی حفصہؒ بھی اپنے زمانے کی عارفاتِ کاملہ میں شمار ہوتی ہیں۔ نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ چراغ جلا کر نماز کے لیے کھڑی ہوتیں تو بہت رات گئے تک بستر پر نہ جاتیں اس اثنا میں چراغ تو گل ہو جاتا لیکن ان کے گھر میں صبح تک روشنی بدستور رہتی۔ اسی طرح ان سے اور بھی بہت سی کرامات منسوب ہیں۔

(مشاہیر نسواں)

تمن آغا بیگم

امیر تیمور گورگان[1] کی بیگم تھی۔ بہت نیک دل اور مخیر خاتون تھی۔ جس زمانے میں اس کا شوہر اسلامی ممالک کو زیر و زبر کرنے اور خلقِ خدا کا قتلِ عام کرنے میں مصروف تھا، یہ نیک خاتون سمرقند میں مقیم تھی اور اس نے اپنے آپ کو مخلوقِ خدا کی خدمت اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں ہمہ تن وقف کر

---

[1] امیر تیمور لنگ یا تمر لنگ کا شمار دنیا کے بہت بڑے فاتحین اور کشور کشاؤں میں ہوتا ہے۔ وہ ترکوں کے برلاس قبیلے کی ایک شاخ گورگان سے تعلق رکھتا تھا۔ ۷۳۶ھ میں اس قبیلے کے سردار کے گھر پیدا ہوا۔ ہوش سنبھالا تو پہلے ایک دو طاقتور مغل سرداروں کی ملازمت کی پھر آہستہ آہستہ ترقی کر کے ماوراء النہر کی حکومت پر قبضہ کر لیا، جلد ہی خوارزم (خیوا) پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔ ۷۸۲ھ میں اس نے خراسان، فارس، سیستان، جرجان، مازندران، آذربائیجان، کردستان اور افغانستان کو مسخر کر لیا۔ ۷۹۵ھ میں بغداد، عراق، گرجستان، آرمینا اور ماسکو کو فتح کیا۔ تین برس کے بعد ہندوستان پر دھاوا بول دیا اور دہلی فتح کر کے وہاں کے باشندوں کا قتلِ عام کیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ حلب، حماۃ، حمص اور بعلبک کو روندتا ہوا دمشق پر جا چڑھا اور اسے فتح کر لیا۔ وہاں سے اس نے ایشیائے کوچک کا رخ کیا اور دو سال بعد عثمانی فرمانروا سلطان بایزید (اوّل) یلدرم کو انگورہ کے میدان میں شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ مفتوح سلطان کو اس نے لوہے کے ایک بڑے پنجرے میں قید کر دیا۔ جہاں وہ آٹھ ماہ بعد فوت ہو گیا۔ پھر اس نے عیسائیوں کے ایک بڑے مرکز سمرنا (ازمیر) کو تباہ کیا۔ سمرنا سے وہ اپنے علاقے کی طرف پلٹا اور چین پر یلغار کرنے کا ارادہ کیا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رکھا تھا۔ اس کا دستِ سخاوت بہت کشادہ تھا، اور بے شمار غربا و مساکین اس کے دسترخوان پر پرورش پاتے تھے۔ اس نے سمرقند میں ایک عالی شان بیمارستان (ہسپتال) تعمیر کرایا۔ جس میں ہر حیثیت کے مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ دواؤں اور خوراک وغیرہ پر اٹھنے والا تمام خرچ تمن آغا بیگم کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اس نے ایک بہت بڑا لنگر خانہ (غریب خانہ یا محتاج گھر POOR HOUSE) بھی سمرقند میں بنوایا۔ اس میں سینکڑوں غریبوں اور محتاجوں کی نگہداشت اور پرورش کی جاتی تھی۔

۱۹ شعبان ۸۰۱ھ ہجری کو امیر تیمور اپنی مہمات سے فارغ ہو کر سمرقند واپس آیا تو اس نے ان دونوں عمارتوں کا معائنہ کیا۔

تمن آغا بیگم کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔

(روضۃ الصفا)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

لیکن اس مہم پر روانہ ہونے سے پہلے ہی وہ ۸۰۷ھ میں اوترار کے مقام پر انتقال کر گیا۔ تیمور کی فتوحات نے ماوراء النہر کو بہت بڑی سلطنت بنا دیا تھا۔ جس کا دارالحکومت سمرقند تھا۔ اس کے مرنے کے بعد یہ وسیع سلطنت متعدد خود مختار ریاستوں میں بٹ گئی۔

تیمور کے ہاتھوں عالمِ اسلام کو سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ اس نے یلدرم بایزید یلدرم جیسے مجاہد فرمانروا کو شکست دے کر یورپ کے عیسائی بادشاہوں کے ہاتھ مضبوط کر دیئے۔ اگر وہ سلطنتِ عثمانیہ کو پامال نہ کرتا تو بہت جلد سارا یورپ اس سلطنت کا باجگزار بن جاتا اور دنیا کی تاریخ کسی اور انداز میں لکھی جاتی۔

شہزادی شقراء

سلطانِ مصر الملک الناصر ناصر الدین حسن (۷۴۸ھ ۱۳۴۷ء تا ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء اور دوبارہ ۷۵۵ھ ۱۳۵۴ء تا ۷۶۲ھ ۱۳۶۱ء) کی صاحبزادی اور امیر اوُس کی بیگم تھی۔ عوام کی خیر اندیشی اور جذبۂ خیر کی بدولت اس نے مصر میں بڑا نام پایا۔ عامۃ الناس کی فلاح و بہبود کے لیے اس نے متعدد کام کیے ان میں کئی عمارتوں کی تعمیر بھی شامل تھی۔ اب اس کی بنوائی ہوئی عمارتوں میں صرف ایک محل نما عمارت باقی رہ گئی ہے جو دار الست شقراء کے نام سے مشہور ہے۔ شہزادی شقراء نے ۷۹۱ھ ہجری میں وفات پائی۔

(مشاہیر النساء)

نیلوفر خاتون

سلطنتِ عثمانیہ کے دوسرے فرمانروا سلطان اورخان (۷۲۶ھ ۱۳۲۶ء تا ۷۶۱ھ ۱۳۶۰ء) کی بیوی اور سلطان مراد اول (۷۶۱ھ ۱۳۶۰ء تا ۷۹۲ھ ۱۳۸۹ء) کی والدہ تھی۔ نہایت مخیّر اور نیک نہاد خاتون تھی۔ رفاہِ عامہ کے کاموں سے اس کو خاص شغف تھا۔ اس سلسلے میں اس نے کئی نہریں کھدوائیں، پُل بنوائے، سڑکیں بنوائیں اور بہت سی دوسری عمارتیں بنوائیں۔ دوسری سب عمارتیں اور نہریں سڑکیں وغیرہ تو امتدادِ زمانہ کی نذر ہوگئیں البتہ بروصہ کے قریب ایک نہر اور اس پر بنوایا ہوا پُل ابھی تک موجود ہے۔ یہ نہر "آبِ نیلوفر" کہلاتی ہے۔

(مشاہیرِ نسواں)

بی بی ملکہؒ

شرف الدین بن عبداللہ مقدسیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ آٹھویں صدی ہجری میں نامور محدثہ گزری ہیں۔ مدت العمر درس و تدریس میں مشغول رہیں اور بے شمار لوگوں نے ان سے علم حدیث حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے امام ابن حجر عسقلانیؒ نے ان سے حدیث کی اجازت لی۔ بی بی ملکہؒ نے ۸۰۲ھ ہجری میں وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

بی بی قتلق آغا

امیر تیمور گورگان کی سب سے بڑی بہن تھی۔ یہ خاتون بڑی زیرک، تعلیم یافتہ، دانا اور انصاف پسند تھی۔ اس کا دست سخاوت بے حد کشادہ تھا اور لاکھوں غربا اور مساکین اس کی فیاضی اور سخاوت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اپنے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے بہت ہر دلعزیز تھی اور لوگ اس کا نام بڑی عزت اور احترام کے ساتھ لیتے تھے۔ اس نیک بی بی نے ۷۸۹ھ ہجری میں وفات پائی اور سمرقند میں حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما کے مزار کے پاس مدفون ہوئی۔ (روضۃ الصفا)

بی بی ست العربؒ

بیت المقدس میں نہایت نامور فاضلہ گزری ہیں۔ سیف الدین مقدسی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی درسگاہ تمام عالم میں مشہور تھی۔ علامہ علی بن عبدالدائمؒ مدت تک اس درسگاہ سے کسب فیض کرتے رہے۔ بی بی ست العربؒ نے ۷۳۰ھ میں وفات پائی۔ (مشاہیر النساء)

جہان خاتون

اس کا شمار آٹھویں صدی ہجری کی یگانۂ روزگار شاعرات میں ہوتا ہے۔ خواجہ حافظ شیرازی[1] کی ہم عصر اور ہم وطن تھی۔ بے حد ذہین اور نکتہ سنج تھی۔ یہ شعر اسی کا ہے:

مصوّر است کہ صورت ز آب می سازد
زِ ذرّہ ذرّۂ خاک آفتاب می سازد

خواجہ حافظ شیرازی اس کے بہت قدر دان تھے اور بعض مرتبہ اس کو اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ خواجہ صاحب سے ملنے گئی تو انہوں نے اس کو اپنی ایک غزل سنائی، جس کا مطلع یہ ہے:

دردم از یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے او شدہ جاں نیز ہم

جب اس شعر پر پہنچے

اعتمادے نیست بر کارِ جہاں
بلکہ بر گردونِ گرداں نیز ہم

---

[1] خواجہ شمس الدین محمدؒ حافظ شیرازی کا شمار فارسی زبان کے نابغۂ روزگار شعراء میں ہوتا ہے۔ ۷۱۵ھ اور ۷۳۰ھ کے درمیان شیراز میں پیدا ہوئے۔ تفسیر، فقہ، اور دوسرے علوم میں استادانہ دستگاہ حاصل تھی۔ ۷۴۳ھ سے ۷۵۴ھ تک شاہی دربار سے وابستہ رہے لیکن کبھی کسی حکمران کی شان میں کوئی قصیدہ نہیں لکھا۔ درویشانہ اور زاہدانہ زندگی گزارتے تھے۔ بڑے فیاض اور سیر چشم تھے۔ اُن کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو جہان خاتون نے فی البدیہہ کہا ؎

حافظا ایں مے پرستی تا بکے

مے زِ تو بیزار و مستاں نیز ہم

مشہور شاعر عبید ذاکانی بھی خاتون جہان کا ہم عصر تھا۔ وہ قزوین سے شیراز آیا تو پہلے ہی دن شعر و سخن کی ایک مجلس میں اس کا مقابلہ خاتون جہان سے ہو گیا۔ اگرچہ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھا لیکن جہان خاتون کے اشعار کا اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ اتفاق سے دوسرے دن جہان خاتون کی شادی تھی۔ عقدِ نکاح کے بعد وہ اپنے شوہر خواجہ قوام الدین وزیرِ سلطنت کے پاس بیٹھی تھی کہ عبید ذاکانی اس کے مکان پر پہنچا۔ باہر آدمیوں کا اژدحام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے کلام میں عجب جوش و سرمستی ہے۔ دیوانِ حافظ بادۂ شاعری کی روح ہے۔ وہ پڑھنے والے کو متوالا اور مست بنا دیتا ہے۔ حافظ غزل گوئی کے مردِ میدان نہیں بلکہ بادشاہ ہیں۔ ان کا کلام شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ ان کے کلام میں بیسیوں اشعار خالص عربی کے ہیں جن سے ان کے کمالِ علم و فضل کا ثبوت ملتا ہے قرآن کریم کی آیتوں کو اس خوبصورتی سے شعر میں داخل کرتے ہیں جیسے کسی زیور پر ہیرا جڑ دیا جاتا ہے۔ ان کے کلام کی مقبولیت کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ صدہا اشعار عوام میں بطور ضرب المثل رائج ہیں۔ ان کے کلام میں شاہد و شراب وغیرہ کے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ اگر ان کے ظاہری معنی لیے جائیں تو خواجہ صاحبؒ کے بارے میں کوئی اور ہی تاثر ابھرتا ہے لیکن بہت سے اہلِ علم اور اہلِ تصوّف ان کے مجازی معنی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خواجہؒ کا کلام سراسر عارفانہ ہے۔

خواجہ شیرازؒ نے ۷۹۲ھ / ۱۳۹۰ء میں وفات پائی اور شیراز ہی میں آسودۂ خوابِ ابدی ہیں۔

(مشاہیرِ اسلام، حواشی غبارِ خاطر)